ا

نمل (نمرہ احمد)

تیئسویں قسط:

Mera Naam Saadi Yousuf Hai!

''مور چال''

:)

آج تم جس دکھ کے مقام پہ ہو'

میں اس جگہ سے گزر چکا ہوں۔

یقین کرو میں اس سے گزر چکا ہوں۔

تمہیں اس سے جست لگا کر نکلنا ہو گا۔

تمہیں اس سے نکالے گا صرف ایک فقرہ۔

ایک سطر۔ ایک دلیل۔

ایک کہانی جو تم خود کو سنا سکو۔

وہ کیا ہے' اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اور ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ بھی ہو۔

جب تک تم اس فقرے پہ یقین کرتی رہو!

جب تک اس کے ذریعے تم خود کو معاف کرتی رہو۔

تم ڈھونڈو وہ سطر۔ وہ فقرہ۔

وہ مقصد۔

تم اسے ڈھونڈو' تم یہ کر سکتی ہو۔

میں جانتا ہوں کہ تم یہ کر سکتی ہو۔

وہ ایک فقرہ خود کو سنانے کے لیے ڈھونڈو۔

پھر اس لائن کو مضبوطی سے تھام لو۔

اور پھر اس کی مدد سے خود کو

تاریک اندھیروں سے

باہر کھینچ نکالو۔

(شونڈا رائمز۔ بکل اپ)

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کو وہ رات اپنے داغدار' سیاہ دامن میں چھپاتی جا رہی تھی جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ زمر اپنے کمرے میں تھی' سیم ہوم ورک پھیلائے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ ابا بھی وہیں موجود کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے۔ ندرت کچن میں کھڑی' با آواز بلند غیر موجود حسینہ کو کوس رہی تھیں۔ (ہزار دفعہ کہا ہے' کوارٹر میں جانے سے پہلے چائے کی کیتلی مانجھ کر جایا کرو' مگر اسی طرح چھوڑ جائے گی۔ اور یہ دیکھو...صابن ختم...ایک تو بندہ میکس باران ملازموں کے حوالے نہ کرے۔ گھول گھول کر ختم کر دیتے ہیں....)

جب کوئی نہ ہلا تو حنہ کمرے سے باہر نکلی اور دروازے کی طرف آئی۔ اتنے میں پورچ سے اندر کھلتے دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔ (ایسا کون ہے جو باہر گیٹ سے اندر آ بھی گیا اور صداقت نہیں جاگا؟)

''کون؟'' اس نے پوچھا۔ جواب میں خاموشی۔ حنین نے جی کڑا کر کے آواز بلند کی۔ ''کون؟''

''تو اب میں کون ہو گیا ہوں؟'' فارس کی آواز پہ حنین کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت ابھری' اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ پہلے لپک کر کھولنے لگی' پھر رکی۔ (میں تو ناراض تھی۔) چہرے کے تاثرات سخت کیے' ماتھے پہ بل ڈالے اور دروازہ کھولا۔ پھر بازو سینے پہ لپیٹے' تندہی سے سامنے دیکھا جہاں وہ دو اسٹیپ نیچے کھڑا تھا۔ ہاتھ سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے' اپنی سنہری آنکھیں اس پہ جمائے' وہ سادگی سے مسکرا رہا تھا۔ چھوٹے کٹے بال ویسے ہی تھے' البتہ رنگت ذرا کملائی ہوئی لگ رہی تھی۔ ''ہیلو حنہ۔''

''وعلیکم ہیلو۔ آپ کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ یہیں رہتے ہیں؟ کیا آپ اس فیملی کا حصہ ہیں؟ اوہ مگر نہیں۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپاتے' کراچی کا کہہ کر کولمبو نہیں چلے جاتے' اور جب واپس آ جاتے ہیں تو اسی روز ریسٹورانٹ میں اپنی بیوی کو وزٹ کرنے کے دو دن تک اپنے گھر والوں کو بھولے نہیں رہتے۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں نا' وہ....'' خفگی سے وہ تیز تیز بولے جا رہی تھی اور وہ جو سکون سے' مسکراہٹ دبائے سن رہا تھا' آگے بڑھا' دو قدم اوپر چڑھا اور اس کے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کر اس کا ماتھا چوما۔ ''بلیک کافی' ہلکی چینی اور ذرا سی کریم کے ساتھ۔ ایک بڑا مگ۔ لاؤنج میں لے آؤ۔'' اور وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گیا اور حنین کی زبان' جذبات اور غصے کو بریک سی لگ گئی۔ چند لمحے تو سمجھ نہیں آئی کہ دو دن سے تیار شدہ' بار بار ریہرسل کردہ تقریر مکمل کیوں نہ کر سکی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟'' ساری ناراضی اڑنچھو ہو گئی تھی' اور آواز میں بے قراری آ گئی تھی۔

''میری کافی کہاں ہے؟'' اور اندر چلتا گیا۔ حنین اس سے زیادہ تیزی سے اندر بھاگی۔ اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔ پیچھے سے اس نے

چیخ چہکار سنی۔ سیم نے اسے دیکھ کر کوئی نعرہ لگایا تھا' ندرت بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں' ابا خوشی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ حنہ نے کچھ نہیں سنا۔ کچن میں آتے ہی چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ جلدی جلدی کافی بنائی۔ ٹرے میں سجائی اور اسے لئے باہر لاؤنج میں آئی۔

اب وہ صوفے پہ بیٹھا تھا' آگے ہو کر' اور ساتھ بیٹھی ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا' کہ اسے لے آؤں گا۔ وہ میرے ساتھ آیا نہیں ہے' مگر وہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے۔''

ندرت کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''اگر وہ ٹھیک ہے تو فون کیوں نہیں کرتا۔ گھر کیوں نہیں آتا؟'' حنہ نے ٹرے سامنے رکھی اور خاموشی سے اس کے ساتھ آبیٹھی۔

''فارس' کیا تمہیں یقین ہے کہ ہاشم نے ہی یہ سب کروایا ہے؟''

ابا سنجیدگی بھری فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ کارپٹ پہ فارس کے قدموں کے قریب بیٹھا سیم فوراً بول اٹھا۔ ''یہ بات ڈسکس کرنے سے منع کیا تھا زمر نے۔''

حنین نے رکھ کر اس کے سر کی پشت پہ تھپڑ لگایا۔ ''زمر' پھپھو نے۔''

''کیا ہے؟ اب تو مجھے بھی سارے راز پتہ ہیں۔'' سیم کا خیال تھا زمر کو اس کے نام سے پکارنے کا بھی کرائے ٹیریا تھا۔

''جی ہاں۔'' وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں شرمندہ ہوں کہ پہلے نہیں بتا سکا' مگر یہ سچ ہے۔ وہی ہمارے دشمن ہیں۔''

''میرا بھائی کہاں ہے۔'' حنہ نے اب کے چڑ کر پوچھا۔ فارس نے اسے دیکھا تو وہ گلہ آمیز نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ کچھ دن تک آئے گا۔ میرے ساتھ نہیں آیا۔'' فارس کہہ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر ہلکا سا بولا۔ ''آئی ایم سوری حنہ' مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اور اگر حنین کی کوئی خفگی رہی بھی تھی تو اب دور ہو گئی۔ وہ کھل کر مسکرا دی۔

''میں زمر کو بتاتی ہوں کہ آپ آگئے ہیں۔ خود سے تو ملکہ عالیہ آئیں گی نہیں۔'' آخری فقرہ دبی سرگوشی میں کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ آئی۔

زمر اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی اور چند صفحات اسٹیپل کر رہی تھی۔ بال آدھے باندھے' آدھے کھلے تھے' اور نظریں کاغذ پہ جھکی تھیں۔ حنہ میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جب میں پندرہ منٹ پہلے یہاں کھڑی آپ کو احمر شفیع کے وزٹ کے بارے میں بتا رہی تھی تو آپ نے اتنی پیاری لپ اسٹک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ اور آپ نے یہ ٹاپس بھی نہیں پہن رکھے تھے' اور کاجل بھی نہیں ڈالا ہوا تھا۔'' ابھی وہ کپڑوں کے بارے میں بھی کچھ کہتی جب زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر ایک ''نظر'' اس پہ ڈالی اور حنہ جلدی سے گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ ''میرا مطلب ہے' وہ احمر والی بات....''

''میں احمر سے بات کروں گی۔''

''اب جو کروں گی' میں خود کروں گی۔ جب مجھے علیشا کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں نے فوراً اگلے دن مسز جواہرات کو بتا دیا تھا سب۔ جب مجھے اور آپ کو ہاشم کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں آپ کی طرح رونے نہیں لگی تھی۔ خاور کے پاس چلی گئی تھی۔ آپ صرف شدید حالات

میں روتی ہیں۔ میں شدید حالات میں آگے کا سوچتی ہوں۔ احمر شفیع کے یہاں آنے سے میں ڈپریشن لے کر کونے میں نہیں پڑ جاؤں گی بلکہ یہ جاننے کی کوشش کروں گی کہ احمر شفیع کون ہے؟ اس کے پاس میرا راز ہے' ہمارے پاس اس کے راز ہونے چاہئیں۔ خیر' آپ باہر آ جائیں۔ فارس ماموں آئے ہیں۔ یقیناً ان کی آواز تو نہیں سنی ہو گی آپ نے۔'' آخری فقرہ معصومیت سے ادا کیا تھا۔

زمر پھر بھی کچھ وقت لگا کر باہر آئی تھی۔ ندرت اور ابا اسی پوزیشن میں بیٹھے فارس سے سعدی کی باتیں کر رہے تھے' سیم اس کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ بار بار زوم اِن زوم آؤٹ کر کے۔

''مگر وہ آیا کیوں نہیں؟'' ابا نے اب کے اکتا کر پوچھا تھا۔

''کیونکہ اسے انصاف چاہیے۔'' زمر سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور فارس کے مقابل صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' اور سر کو اثبات میں خم دے کر بولا۔ ''وعلیکم السلام۔''

''تم دو دن سے ہوش میں' میں مل چکی ہوں تم سے پہلے بھی۔'' بے نیازی سے کہہ کر نظروں کا رخ ابا کی طرف پھیرا۔ ''سعدی نے کہا ہے فارس سے کہ اسے انصاف چاہیے۔ اسے ہاشم کاردار کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا ہے (فارس تصحیح کرتے کرتے رک گیا۔) اور مجھ سے پوچھیں تو یہی درست راستہ ہے۔ ہمیں عدالت میں جانا چاہیے۔''

''عدالت میں؟'' ابا دھک سے رہ گئے۔ ندرت نے ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ''ہاں تو کرنے دو کیس۔ فارس کا کیس بھی تو اتنے سال بھگتایا تھا' یہ بھی بھگتا لیں گے۔''

''نہیں آپا' وہ کیس سرکار پاکستان لڑ رہی تھی فارس غازی کے خلاف۔ میں اس کیس میں ''دفاع'' تھا' استغاثہ نہیں۔ کسی کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے' بہ نسبت مجرم ثابت کرنے کے۔ یہ کیس ایسا نہیں ہو گا۔ اس میں ہمارے مقابلے پر کاردارز ہوں گے۔ ہمارا سارا پیسہ خرچ ہو جائے گا' ہم عدالتوں کے دھکے کھائیں گے اور آخر میں ہم کیس ہار جائیں گے کیونکہ اس ملک میں انصاف نہیں ہے۔ نہ انصاف ملے گا۔ میں سعدی کا ساتھ اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ ہم ایک خاندان ہیں۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔'' سنجیدگی سے اس نے دو ٹوک بات کی تھی۔ وہ قطعاً خوش نہیں تھا۔

''کیا کیس کرنا ضرور ہے؟'' حنین الجھ کر بولی۔ ''بھائی واپس آ جائے' ہم لوگ پھر سے ہنسی خوشی رہیں' اور بظاہر ہم خود کو نارمل ظاہر کریں اور وقت آنے پہ اپنا بدلہ لے لیں' اتنا بہت ہے نا۔'' حنین کے لئے جو بہت آسان تھا' اب وہ ذرا کم آسان لگ رہا تھا۔

''تم ایک انسان کو قید میں ڈالنے کے بعد اس سے یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ وقت تو لگے گا'' وہ اسے اب سمجھا رہا تھا اور زمر سعدی کے فیصلے کے حق میں ابا کو دلائل دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
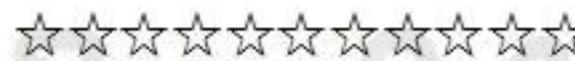
اب اپنے بھی سائے کا بھروسہ نہیں یارو

نزدیک جو آئے ہے وہی وار کرے ہے

وہ داغدار رات کاردارز کے آفس پہ بھی اسی طرح پر پھیلائے ہوئے تھی۔ رئیس کو ملے گھنٹے کے مکمل ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے جب وہ ہاشم کے آفس میں دوبارہ داخل ہوا۔ چوکھٹ پہ ذرا دیر کو ٹھٹکا۔ ہاشم تنہا نہیں بیٹھا تھا۔ گو کہ وہ جس طرح انگوٹھے کے ناخن سے تھوڑی کو رگڑتے، سوچتی نظروں سے خلا میں دیکھ رہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے واقعی تنہا بیٹھا ہو، مگر سامنے جواہرات براجمان تھی، اور چائے کی پیالی سے گھونٹ بھرتی اس کی فراغت کی منتظر نظر آتی تھی۔

رئیس آگے آیا اور جواہرات کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ ہاشم نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ ''کیا پتہ چلا؟''

''فارس غازی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس نے واقعی غازی کے نام کا کمرہ الاٹ کر رکھا ہے۔ غازی نے بیوی کو بلانے کا وعدہ کیا تھا، علاج وغیرہ کروانا ہے۔ شاید اس کی بیوی کا گردے کا مسئلہ پھر سے شروع ہو گیا ہے۔''

جواہرات کی انگلیاں بے اختیار اضطراری انداز میں گردن میں پڑے لاکٹ کو مروڑنے لگیں۔ چہرے پہ بدقت مسکراہٹ برقرار رکھی۔

''وہ اسی کمرے میں رہ رہا ہے یا نہیں؟'' ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ علاج والی بات پہ دھیان نہیں دیا۔

''ریکی کرنے کسی کو کراچی بھیج رہا ہوں۔ ایک دو دن میں سب پتہ چل جائے گا۔ فارس غازی کے گھر والوں کے فونز ہنوز ٹیپ کر رہا ہوں۔ ابھی تک سعدی یوسف نے ان سے رابطہ نہیں کیا، نہ ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے۔'' ہاشم نے اکتا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

''زمر نے علاج کروانا ہے؟ کیوں اسے کیا ہوا؟'' جواہرات نے سرسری سا لہجہ اختیار کیا۔

''یہ ناممکن نہیں ہے۔'' ہاشم اپنے دھیان میں تھا۔ ''اس نے مجھ سے الیاس فاطمی کا ذکر کیا تھا کہ فاطمی نے اسے سب بتایا ہے، مگر ہو سکتا ہے وہ پہلے سے جانتا ہو اور مجھے اور فاطمی کو الگ کرنا چاہتا ہو۔ میں اس دن سے فاطمی کی نگرانی کروا رہا ہوں، اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ میرا دشمن بن جائے گا۔'' ہاشم بار بار نفی میں سر جھٹکتا تھا۔

''فارس واقعی زمر کا علاج کروانا چاہتا ہے، اس میں ناممکن کیا ہے؟ ان لوگوں کو کچھ نہیں پتہ۔ بے کار مت سوچا کرو۔'' بدمزہ سی ہو کر اس نے پہلو بدلا۔ ''اب اپنا موڈ بہتر کرو۔ جو ہوا، سو ہوا۔ ہم ایک فیملی ہیں، اور فیملی سے زیادہ دن ناراض نہیں رہتے۔'' آگے بازو بڑھا کر اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی۔ ہاشم نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔ کوفت کا شکار ہوں۔ آپ کے ہر اس عمل پہ جو آپ ہارون کے لئے کرتی ہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہماری فیملی کے درمیان دراڑیں نہ پڑیں تو ہارون کو سنجیدہ لینا چھوڑ دیں۔ جب سے وہ شہر میں واپس آیا ہے، میں یہ سب دیکھ رہا ہوں اور برداشت بھی کر رہا ہوں، اب نہیں کروں گا۔'' اس کی آنکھوں میں گہری کاٹ تھی۔ جواہرات اندر تک دہل گئی مگر بظاہر سکون سے مسکراتی رہی۔

''برداشت تو تمہیں اسے ساری زندگی کرنا ہو گا اور میں جو اس کے ساتھ اتنے اچھے سے پیش آتی رہی۔ وہ اپنے لئے نہیں تھا۔ تمہارے اور آبی کے لئے تھا۔''
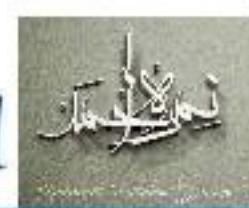
ہاشم کے تاثرات بدلے' آنکھوں کی سختی کم ہوئی۔

''تم آبی کی طرف نہیں بڑھتے تھے' کیونکہ تمہارا باپ تمہاری شادی نہیں ٹوٹنے دینا چاہتا تھا اور اس کا باپ تمہیں اس کو اپنانے نہیں دے گا۔ مگر شادی بھی ٹوٹ گئی' اور نگزیب بھی اسی صدمے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا' اور اب.... میرے اتنے احسانوں کے بعد ہارون بھی کوئی پس وپیش نہیں کرے گا۔ اب تمہیں آبی سے بات کرنی چاہیے۔ اور سنو' صرف آبی سے۔ ہارون سے مت کہنا کچھ۔ ابھی سے اس کو اتنا سر چڑھاؤ گے تو آگے مشکل ہوگی۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اس نے آہستہ سے سوچ میں گم اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
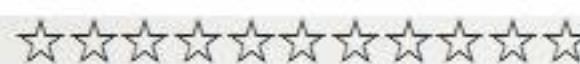
یاس وغم' رنج وتعب میرے ہوئے دشمنِ جاں
اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

قصرِ کاردار رات کی تاریکی میں بھی جگمگا رہا تھا۔ اس کے ورے بنی انیکسی کے دروازے کو علیشا لاک کر رہی تھی جب....

''ہیلو!''

وہ ڈر کر اچھلی۔ مڑ کر دیکھا تو سنجیدہ سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ علیشا کی رنگت پھیکی پڑی۔ ''میں یہاں صرف....'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بات بنانے کی کوشش کی تو شیرو نے ہاتھ اٹھایا۔

''سن چکا ہوں فیونا سے۔ تم انیکسی دیکھنا چاہتی تھیں' اس لئے یہاں آئی۔ یہ بھی ایک جھوٹ ہوگا' مگر چونکہ تمہارا تعلق ایک جھوٹے خاندان سے ہے تو ٹھیک ہے۔ تم جو بھی کرو' بس اس کاغذ پہ سائن کر دو۔'' آنکھوں میں ناگواری لئے' اکھڑے لہجے میں کہتے ہوئے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ ''اس کے بعد میرے شیئرز میرے پاس واپس آجائیں گے اور تم ایک خطیر رقم لے کر واپس چلی جاؤ گی۔''

''تم سب ایک ہی جیسے ہو۔'' علیشا نے بے بسی بھرے غصے سے کہتے ہوئے فائل کھینچی اور دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی۔

نوشیرواں برآمدے کے زینے پہ آ بیٹھا اور اداس نظروں سے سامنے نظر آتے قصر کو دیکھنے لگا۔ سامنے اس کے اپنے کمرے کی بالکونی تھی جس میں.... یونہی.... ایک پرانا منظر سا ابھرا.... بالکونی کے دروازے سے لگا.... نوشیرواں کاردار.... آٹھ سال پہلے ڈرگز کی اوورڈوز سے مر رہا تھا اور ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا اسے بچانے آیا تھا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔ پیروں پہ نمی محسوس ہوئی تو دیکھا۔ اس کا لیبراڈار اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔

''جیکی.... میں نے تمہاری جان نہیں بچائی کبھی۔ صرف کھانا دیا ہے' پھر بھی تم احسان مانتے ہو' تو میں کیوں بھول گیا؟'' وہ کتے سے مخاطب ہوا تھا۔ ''میں نے یہ کیا کر دیا؟'' دکھ اور پشیمانی کی لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ ''میں اس رات سے کبھی بے خواب نیند نہیں سو سکا' مجھے ہر مائع شے کا رنگ سرخ لگتا ہے' لقمہ منہ تک لے کر جاؤ تو وہ خون آلود نظر آنے لگ جاتا ہے' میں کیا کروں' جیکی؟'' اس نے سر اٹھا کر

وحشت سے اوپر چھائے آسمان کو دیکھا۔ ''میرا ایک حصہ کٹ کر اس رات گر گیا تھا' وہیں اس زیرِ تعمیر مکان کی خون آلود مٹی میں ... اور ''اس'' کا ایک حصہ میرے اندر آ بسا تھا۔ وہ حصہ ہر پل میرے ساتھ سانس لیتا ہے' ہر دن کے ساتھ بڑا ہوتا جاتا ہے' جیسے میں اپنے پہلو میں کسی وحشی جانور کے بچے کو جوان ہوتے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر اس نے نفی میں سر جھٹکا اور فون نکالا۔

''جی نوشیرواں! سائن کر دیے علیشا نے؟'' زمر نے دوسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''مسز زمر' حسد کیا ہوتا ہے؟'' وہ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے' دوسرے سے آنکھیں ملتا پوچھنے لگا۔ زمر نے گہری سانس لی تھی۔

''حسد وہ ہوتا ہے جو سب کو محسوس ہوتا ہے' کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی سے۔ مگر احمق لوگ اس کا کھل کر اظہار کر دیتے ہیں' اور عزت دار لوگ اس کو چھپا لیتے ہیں۔''

''ضروری تو نہیں کہ ہمیں کسی سے حسد ہی ہو' ہم ایسے بھی تو کسی کو ناپسند کر سکتے ہیں نا۔'' وہ مزید بے چین ہو گیا تھا۔

''حاسد تین درجوں سے گزرتا ہے نوشیرواں۔ سب سے پہلے اس کا دل تنگ ہوتا ہے ہر اپنے سے بہتر شخص کی تعریف سننے پر۔ پھر وہ اس کو اپنے دل میں بھی کمتر جاننے لگتا ہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا قد گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آخر میں وہ اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے' جسمانی اذیت سے قتل تک۔ دنیا کا پہلا قتل حسد پہ ہوا تھا' اور آخری قتل تک یہ جذبہ انسان سے انسان کو مرواتا رہے گا۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا؟'' نوشیرواں میں مزید سننے کی تاب نہ تھی' اس نے فون بند کر دیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کے گرد بہتے اندھیر بھنور بڑھتے جا رہے تھے.... گویا اس کو نگلنے کے لئے بے تاب ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
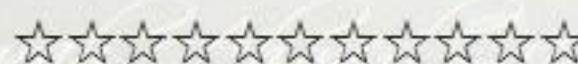
اک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری

دو روز میں ہم پر جو یہاں بیت گئی ہے

فروری کی تیسری صبح دھند آلود تھی۔ سارے مناظر دل کے آئینے کی طرح دھندلائے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور تک 'بصارت' جاتی' اس کے آگے 'بصیرت' ختم ہو جاتی۔ ایسے میں اپنے بیڈ روم میں بیڈ پہ کمبل گردن تک تانے' ماتھے پہ بازو رکھے سوتی ہوئی زمر دکھائی دیتی تھی۔ فارس کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ نگاہیں باہر جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کچھ دیکھ کر چونکا' پھر باہر نکل گیا۔

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا لان فجر کے اندھیرے اور دھند میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ فارس نے جیسے ہی باہر پورچ کی طرف کھلتا دروازہ کھولا' باہر کھڑی حنین کا ہتھوڑا اسی طرف آیا۔ وہ بروقت پیچھے ہوا اور حنہ نے بھی ''اوہ'' کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ اسی دروازے پہ کچھ ٹھونک رہی تھی جس کو فارس نے کھولا تھا۔

''کیا کر رہی ہو اتنی صبح؟'' آنکھوں میں حیرت لئے وہ باہر نکلا اور سر سے پیر تک حنین کو دیکھا۔ وہ ہڈ والا سوئیٹر پہنے ہُڈ سر پہ گرائے ہوئے تھی۔ ایک ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور دوسرے کو کمر کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ نگاہیں بھی موڑ لیں۔

''تو آپ مجھ سے ناراض ہیں، حنین بی بی؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے، چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ حنین نے پلکیں اٹھائیں اور خفا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''آپ کے خیال میں سوری کر لینے سے وہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟''

''میں نے رات کو جھوٹ بولا تھا جب میں نے تم سے معذرت کی۔ میں یہ سب چھپانے پہ بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں حنین۔ میں یوں تم لوگوں کی حفاظت کر رہا تھا۔''

''زمر ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ انتہائی دو نمبر انسان ہیں۔'' خفا سی مڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''مگر آئی ایم سوری، اگر میں نے دل دکھایا ہے تو۔'' اب کے نرمی سے بولا تو حنہ کا دل پگھل گیا۔ بغیر مڑے، وہ پشت کیے کھڑی آہستہ سے بولی۔ ''ہم اس رات وارث ماموں کے ساتھ تھے.... ہم دونوں نے ایک ساتھ ان کو آخری دفعہ دیکھا تھا۔ ہم اس سب میں ساتھ تھے، آپ کو مجھے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔''

''میں پہلے ہی ڈوبی ہوئی کشتی ہوں حنین، اپنے ساتھ دوسروں کو نہیں ڈبو سکتا۔ یہ کر کیا رہی ہو؟'' اس نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکال لئے تو وہ پوچھنے لگا۔ حنہ نے جواب دیے بنا وہ شے دروازے پہ رکھی اور کیل جما کر ٹھونکنے لگی۔ فارس نے آگے ہو کر دیکھا۔ وہ ایک نیم پلیٹ تھی۔ لوہے کی تختی۔ اس پہ اُردو میں لکھا تھا۔ ''مور چال۔''

''مور چال؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟''

''مور چال... یعنی چیونٹی کا گھر... یہ پرانی اُردو کا لفظ ہے۔ اسی سے ماڈرن اُردو کا لفظ ''مورچہ'' نکلا ہے۔ چیونٹی کا گھر بھی کسی مورچے سے کم نہیں ہوتا نا۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''یہ اس طرح نہیں ٹھونکا جائے گا۔ ڈرل استعمال کرو۔''

''میں کوئی مستری یا ترکھان نہیں ہوں جو ڈرل استعمال کروں۔'' اس صبح تک حنین یہی سمجھتی تھی سو کہہ گئی۔ فارس چپ ہو گیا۔

''بھائی گھر آ جائے گا نا۔'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

فارس جواب دیے بنا سوچتی نگاہوں سے دور دھند آلود آسمان کو دیکھنے لگا.... ہر گزرتے لمحے وہ دور جا رہا تھا.... اس مور چال سے دور.... اس زمان و مکاں کی حد سے دور....

زرتاشہ کا ولیمے کا جوڑا فیروزی رنگ کا تھا۔ ساتھ میں نازک سی ڈائمنڈ جیولری پہن رکھی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے، اور دوپٹہ جوڑے کے اوپر ٹکا تھا۔ وہ کچھ فکرمند، کچھ پر جوش، ہر زاویے سے خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اس کو۔ وہ دونوں برائیڈل روم میں تنہا تھے۔ ندرت آپا ابھی ابھی گئی تھیں اور زرتاشہ جو اتنی دیر سے ضبط کر کے سو بر بنی بیٹھی تھی، اب جلدی سے اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تم کیوں پریشان ہو زرتاشہ؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔ زرتاشہ نے مڑ کر اسے دیکھا تو کاجل بھری آنکھوں میں ملے جلے جذبات تھے۔

''میرا میک اپ اوور تو نہیں لگ رہا؟ تین مہینے سے اپائمنٹ لے رکھا تھا' کہہ کہہ کر تھک گئی مگر کچھ گڑبڑ کر دی اس نے۔ بیس زیادہ لگ گئی ہے شاید۔ میں اسٹیج پہ جا کر بری تو نہیں لگوں گی؟ اوہ میں بہت نروس ہوں فارس' میں کیا کروں؟'' اس کے انداز میں کچھ بچوں جیسا تھا جو فارس کو اپنی زندگی کی ساری نارسائیاں بھلا دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایش گرے سوٹ پہن رکھا تھا اور بال ہمیشہ کی طرح بہت چھوٹے نہیں تھے' ذرا بڑے تھے۔ قد میں وہ اس سے قدرے لمبا تھا۔ چلتا ہوا آیا اور اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما۔

''تم بہت پیاری لڑکی ہو' تم اسٹیج پہ جاؤ گی تو کوئی تمہیں برا نہیں کہے گا۔ اگر کوئی تعریف نہ کرے تو وہ جلتا ہوگا تم سے۔'' اور اس نے دیکھا' زرتاشہ کے تنے اعصاب واقعتاً ڈھیلے پڑے' چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ ''میں اچھی لگ رہی ہوں؟''

وہ پھر سے مسکرایا۔ ''ہاں۔'' تبھی دروازہ کھلا۔ فارس نے گردن موڑی' اور چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار گردن واپس پھیر لی۔ چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ زرتاشہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا دیے۔ زرتاشہ نے چوکھٹ کو دیکھا' پھر مسکرا کر سلام کیا۔

''سوری' میں سمجھی سعدی ادھر ہے.... کہاں گیا؟'' زمر کہہ کر اپنے موبائل پہ نمبر ڈائل کرتی الجھ کر واپس مڑ گئی تھی۔ زرتاشہ نے فارس کو دیکھا۔ ''یہ آپ کے بھانجوں کی پھپھو ہے نا؟'' نئے نئے رشتے یاد کرنے میں وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

''ہوں۔'' وہ اپنا موبائل نکالتا مڑ گیا اور خواہ مخواہ بٹن دبانے لگا۔ چند لمحوں میں ماحول میں کوئی نادیدہ سا کھنچاؤ در آیا تھا۔ دل میں کچھ زور سے ٹوٹا تھا۔ وہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔ گھنگریالے بال' ناک کی لونگ.... لباس کا رنگ شاید نیلا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور باہر نکل گیا۔ زرتاشہ شادی کے پہلے ''تھری ڈے فیز'' سے باہر نہیں نکلی تھی' اور یہ وہ تین دن تھے جن میں کچھ معلوم نہیں پڑتا کہ کون آ رہا ہے۔ کون جا رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ہواؤں میں تھی' سو محسوس نہ کر سکی۔

اسٹیج پہ جب وہ فوٹو شوٹ کے وقت زرتاشہ کے ساتھ کھڑا تھا تو اپنے اندر کے کھچاؤ پہ قابو پا چکا تھا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا اور نیلے کپڑوں کی جھلک کو نکھیوں سے دیکھ کر بھی اس نے کوشش کی کہ وہ مسکراتا رہے مگر تب وہ اچھا اداکار نہیں تھا' سو مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی اور مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ فوٹو شوٹ ختم ہوتے ہی وہاں سے اتر آیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ہاشم اور شہرین اسٹیج پہ چڑھ رہے ہیں مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد۔ جب وہ دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' وارث وہاں آ رکا۔ اس کے دوستوں کے ادھر ادھر مصروف ہونے کے بعد اس نے سنجیدگی سے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم اپنی فیملی کو ہاشم سے دور رکھو۔ وہ تمہارے اترتے ہی زرتاشہ سے تمہارا ذکر نامناسب الفاظ میں کر رہا تھا۔ زمر وہاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے تمہیں ڈیفینڈ کیا تو ہاشم مسکرا کر چپ ہو گیا۔ اس کی مسکراہٹ سے لگتا ہے وہ کل کو تمہاری بیوی کے سامنے زمر کا نام لے کر اسے بدگمان کرنے کی کوشش کرے گا۔''

فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ ہاشم کا دار ہے۔ وہ سب جانتا ہوتا ہے۔'' فارس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اپنے راز کا عیاں ہو جانا.... بہت غیر آرام دہ کر دینے والا خیال تھا۔ وہ بری طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ مگر اس واقعے نے اس کو محتاط کر دیا تھا۔ بے حد محتاط.....

مورچال کی تختی دروازے پہ نصب ہو چکی تھی۔ جس کی مسلسل ٹھک ٹھک کی آواز بند ہو چکی تھی۔ سناٹے نے اسے چونکایا۔ وہ پورچ میں رکھے جھولے پہ بیٹھا تھا' اور اس سے فاصلے پہ دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑی تھیں۔ زمر بال کان کے پیچھے اڑستی' خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ شال کندھوں کے گرد لپیٹے' باہر آ کھڑی ہوئی تھی اور حنین اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ فارس سر جھٹک کر اٹھا اور ان کے قریب چلا آیا۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔ وہ بھی خاموشی سے ساتھ سے گزرنے لگا تو زمر بولی۔ ''ہم علیشا کی بات کر رہے تھے۔''

فارس سنجیدگی سے ان دونوں کی طرف گھوما۔ ''اچھا میں سمجھا صرف میں باتیں چھپاتا ہوں' میں راز رکھتا ہوں' میں جھوٹ بولتا ہوں۔''

حنین ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور زمر کی رنگت ذرا خجالت سے پھیکی پڑی۔ ''وہ میں....''

''میں سن چکا ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ تین گز دور بیٹھے آدمی کو آواز نہیں آتی۔ وہ بھی نسوانی آواز جو مردانہ آواز سے زیادہ دور تک جاتی ہے۔ یہ جو آپ دونوں اسٹڈی میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتی ہیں' اور ادھر بیسمنٹ میں رات کو بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں' مجھے سب سنائی دیتی تھیں۔ وہ وڈیو بھی دیکھ چکا ہوں جو آپ کے (زمر کو مخاطب کر کے) بغیر پاسورڈ لگے لیپ ٹاپ میں پڑی ہے۔ جو سعدی نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے (حنین کو گھور کر) پاس فروزن فلم پڑی ہے جو ہاشم کی فلیش سے نکلی ہے' اور وہ جوڑا کو منٹس آپ پرنٹ کر رہی ہوتی ہیں آج کل' زمر بی بی' وہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ علیشا اپنے کی چین میں کیوں انٹرسٹڈ ہے' یہ بھی پتہ کر لوں گا۔ اگر مزید کچھ کہنا ہے آپ نے تو بتائیں۔''

ہر وقت کے گلے شکووں کا رخ الٹا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں' کبھی فارس کو۔ پھر زمر نے (بظاہر) بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ ''ہاں ٹھیک ہے' ہم کافی عرصے سے واقف تھے کہ سعدی پہ حملہ ہاشم نے کروایا اور....''

''نوشیرواں!'' وہ بے اختیار بولا۔ زمر رک گئی۔ فارس پہ جمی آنکھوں میں استعجاب سا نمایاں ہوا۔

''سعدی کو.... گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔''

زمر بالکل پتھر کا بت بن گئی تھی۔ سفید۔ شل۔ حنین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''وہ لوزر؟ اس کی یہ ہمت؟'' وہ غصے میں آ گئی تھی۔

''اس نے کیوں کیا یہ؟''

''حسد میں!'' زمر شل سے انداز میں بولی تھی۔ پھر ایک دم وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ حنین تیز تیز فارس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

آبنوسی لکڑی کے دروازے پہ سجا ''مورچال'' دن کی پھیلتی روشنی میں چمکنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"

کچھ اس طرح سے سودا کیا مجھ سے وقت نے
تجربہ دے کر وہ میری ساری معصومیت لے گیا

کینڈی کی سرسبز پہاڑیاں دھند میں لپٹی تھیں۔ کافی شاپ کی سیڑھیاں اترتا سعدی یوسف نیچے آرہا تھا۔ سفری بیگ کندھے پہ تھا اور سر پہ پی کیپ تھی۔ سیڑھیوں کے دہانے پر کامنی کھڑی فون پہ بات کر رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو چہرے پہ سختی آ گئی۔ ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

کچن میں بوڑھا روپا سنگھی ایپرن پہنے کھڑا کام کر رہا تھا۔ اس پہ محض ایک نظر ڈالی۔ بولا کچھ نہیں۔ سعدی بے مقصد وہاں کھڑا رہا۔ مونچو بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر سر جھکائے ناشتہ کرنے لگا۔ کافی شاپ کے مکین کافی کے دانوں جیسے سخت اور کڑوے ہو گئے تھے۔

"میں جا رہا ہوں۔" اس نے بوڑھے کو اطلاع دی۔ وہ چپ چاپ کام کرتا رہا۔

"تو جاؤ۔ روکا کس نے ہے؟" وہ درشتی سے کہتی پیچھے سے آئی اور غصے بھری نظروں سے اسے گھورا۔ "مگر جانے سے پہلے اتنا بتا کر جاؤ کہ اس بندے کا کیا بنا؟"

سعدی چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

"تمہاری وجہ سے ایک غنڈہ میری شاپ پہ آیا۔ میرے بچے کے سر پہ پستول رکھا۔ ہمیں یرغمال بنایا۔ پھر تم اس کے ساتھ باہر گئے۔ وہاں سے تم نے فوڈ اتھارٹی والوں کو کال کیا اور میری شاپ پہ محکمے کے لوگ آکر سارا کھانا الٹ کے چلے گئے۔ دو دن سے ایک گاہک یہاں داخل نہیں ہوا۔ ہمارے کھانے میں زہریلا مواد نکلا جو تم نے ہی ڈالا ہو گا تا کہ تم بابا سے بدلہ لے سکو۔ اور پھر شام کو تم آ جاتے ہو اور وہ بھی صحیح سلامت۔ اور وہ بندہ اب بھی لاپتہ ہے۔" بولتے بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔ "تم مجھ سے سچ بھی بول سکتے تھے مگر تم نے نہیں بولا۔ کم از کم یہ بتا دو اس بندے کے ساتھ تم نے کیا کیا؟"

"میں نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی لاش پہاڑی سے نیچے پھینک دی۔ میں جتنی مکاری اور چالبازی سے اس جگہ کو اپنا سیف ہاؤس بنانے میں کامیاب ہوا تھا' اس پہ اس نے پانی پھیر دیا تھا۔ اب میں جا رہا ہوں' اور ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے اس ملک سے بھاگ جاؤں گا۔ میں ایک تامل جاسوس ہوں' اور جاسوس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔"

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔" وہ چلائی تھی۔ سرخ آنکھوں میں بہت سے آنسو لئے۔ سعدی خاموشی سے مڑا۔ مونچو نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بوڑھا چپ چاپ کام کرتا رہا۔ سعدی یوسف بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ سر جھکائے' باہر اسٹریٹ میں چلتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ گلے رہے نہ گماں رہے نہ گزارشیں ہیں نہ گفتگو

وہ نشاطِ وعدہ وصل کیا ہمیں اعتبار بھی اب نہیں

دھند دوپہر تک کافی ہلکی ہوگئی تھی۔ سورج نے چہرہ دکھایا تھا۔ ہاسپٹل کی لابی مکمل طور پہ روشن تھی۔ چمکتے فرش پہ باریک ہیل سے چلتی، سفید لباس پہ سیاہ کوٹ پہنے اور بال ہاف باندھے زمر یوسف چلی آرہی تھی۔ کاؤنٹر پہ رک کر اس نے ریشپسنٹ نوجوان کو سلام کیا تو بھوری آنکھوں میں سادگی سی دکھائی دیتی تھی۔

''ڈاکٹر قاسم نے کہا تھا کہ.....''

''جی میم' آپ کی نئی دوا تیار ہے۔ انہوں نے بھجوادی تھی۔'' دراز سے پیکٹ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر قاسم اب کیسے ہیں؟''

''اسی طرح ہیں۔ آپ ان کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ انہیں اس شخص کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ سی سی ٹی وی میں اس کی فوٹیج بھی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے وہ بھی ڈیلیٹ کروادی۔'' وہ ناخوش اور فکرمند لگ رہا تھا۔

''کس شخص کو؟'' اس نے اچھنبے سے نوجوان کو دیکھا۔ پچھلی دفعہ یہاں کوئی دوسرا لڑکا تھا جس نے اسے ڈاکٹر قاسم کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی تھی۔

''وہ مریض جس نے ان پہ تشدد کیا تھا۔ آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟'' وہ اس نوجوان کو گزرے برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک دفعہ اس کے پاس ایک کام لے کر بھی آیا تھا جب وہ اے ڈی پی تھی۔ تبھی قدرے آگے ہو کر کہنے لگا۔ ''ایک آدمی مریض بن کر آیا تھا ایک روز۔ وہ نکل گیا تو کافی دیر بعد جب میں اندر گیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اگلے مریض کو بلایا نہیں تھا تو دیکھا کہ وہ زمین پہ گرے پڑے ہیں اور زخمی حالت میں ہیں۔''

''کب کی بات ہے یہ؟'' وہ متحیر رہ گئی۔

''ٹھہریں میں آپ کو تاریخ بتاتا ہوں۔ اسی تاریخ کی فوٹیج ہم نے مٹائی تھی نا۔'' وہ اس کے دلچسپی لینے پہ ذرا پرجوش سا دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پھر ایک کاغذ نکالا اور تاریخ پڑھ کر سنائی۔ یہ ماہِ کامل کی رات سے اگلے دن کی تاریخ تھی۔ زمر کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''اور اس تاریخ کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آنے والے مریض نے ان کو مارا پیٹا؟''

''دراصل وہ مریض نہیں تھا۔ رجسٹر میں نام بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے فون پہ بات ہوگئی تھی اور اندر چلا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اعتراض نہیں کیا تو میں سمجھا کہ.....''

''کیسا..... کیسا دکھتا تھا شکل میں؟'' بدقت لہجہ متوازن رکھا۔

''فوٹیج تو ہم نے مٹادی۔ شکل اتنی اچھی نہیں یاد مگر لمبا سا تھا۔ گرے سا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ چھوٹے کٹے بال تھے' بہت چھوٹے' اور.....'' وہ یاد کر کے ایک ایک شے بتا رہا تھا اور زمر بار بار خشک لبوں پہ زبان پھیرتی تھی۔

''آپ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس حالت میں پایا؟ آئی ایم سوری مگر آپ کے ساتھ ایک پرانی علیک سلیک ہے اس لیے آپ کو بتا رہی ہوں کہ اگر یہ کہانی آپ نے کسی اور کو سنائی تو سارا الزام آپ کے سر پہ آئے گا۔ فوٹیج بھی آپ نے مٹائی' ڈاکٹر صاحب کو اس طرح گرتے بھی آپ نے دیکھا اور اس مریض کو جاتے ہوئے بھی آپ ہی نے دیکھا۔ عدالت سمجھے گی کہ آپ اپنے جرم کو کور کرنا چاہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی اگر اس بندے کو کور کر رہے ہیں تو پولیس کے سامنے اس کا نام نہیں لیں گے' مگر آپ کی غیر حاضریوں سے اکثر نالاں رہتے ہیں۔ اگر آپ کا نام لے دیا تو؟ میری مانیں تو اس قصے میں نہ پڑیں۔'' ایک ہی سانس میں اسے مفت مشورے سے نوازتی وہ اس کے ہکا بکا چہرے کو نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

پھر وہ کن قدموں سے وہاں سے نکلی' اس کو معلوم نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ کار میں بیٹھ کر کافی دیر اس نے خود کو گہرے گہرے سانس لے کر ریلیکس کیا۔

''اس نے میرے ڈاکٹر کو مارا پیٹا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر نے اچانک سے کڈنی ٹرانسپلانٹ کی بات ختم کر دی' وہ اب مجھے امید دلانے لگے ہیں کہ نئی دوا سے میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ کچھ غلط ہے اس سب میں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی خود سے بڑبڑائے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضبطِ غم اس قدر آسان نہیں فراز

آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال میں دوپہر کے وقت سناٹا چھایا تھا۔ حنین ڈائننگ ہال میں بیٹھی' انگلیوں میں وہ کی چین الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیشا سے کوئی بات نہیں کی تھی' نہ اسے کرنی تھی۔ مگر..... وہ سوچنے لگی..... یہ کی چین علیشا کیوں مانگ رہی ہے واپس؟ اس میں کیا بات ہے ایسی؟ Anst Ever After۔ کیا یہ کسی قسم کا کوڈ ہے؟ کچھ تو ہے۔

شہر کے دوسرے حصے میں واقع ایک ریسٹورانٹ کے اندر دوپہر کی روشنی بھری تھی۔ فارس غازی کونے والی میز پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو سینے پہ لپیٹے' منتظر نظر آ رہا تھا۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر سنہری آنکھیں دروازے پہ مرکوز کر دیتا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ جیسے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اور اس انتظار کی گھڑی میں یونہی ذہن کی رو بھٹکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکو تو ان میں یادوں کے اوراق کھلتے نظر آ رہے تھے.....

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ آفس میں بیٹھا تھا' اور سر جھکائے فائل میں لگے کاغذ باری باری نکال رہا تھا جب سامنے کوئی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔ فارس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ وارث تھا' اور اب مسکرا کر اس سے خیریت پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟'' بے نیازی سے کندھے جھٹکتے فارس نے فائل بند کر کے پرے ڈالی۔

''تھوڑی مزید چھٹی لے لیتے۔ شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے۔ کچھ دن اور لگا لیتے ناردرن ایریاز میں۔''
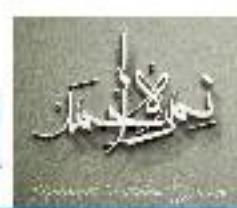
"نہیں، بہت چھٹی ہوگئی پہلے ہی۔ اب کام پہ واپس آنا ہی تھا۔" وہ بہت تازہ دم نہیں لگ رہا تھا۔ چائے آنے کے بعد وارث نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"تم خوش ہو زرتاشہ کے ساتھ؟"

"ہاں۔" وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھے، اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ "اچھی ہے۔ شکایتیں زیادہ کرتی ہے، ذرا بچگانہ بھی ہے، مگر اتنی چالاک نہیں ہے۔"

"اس کو موازنے اور مقابلے کے پیمانے سے ہٹا دو فارس۔"

فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "میں اس کا موازنہ کسی سے نہیں کرتا۔" پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "اگر تم اور ندرت آپا بار بار مجھے وہ باتیں یاد نہ دلاؤ تو مجھے وہ یاد بھی نہیں آتی۔"

"اوکے آئی ایم سوری۔" وارث نے متانت سے کہتے کپ میز پہ رکھا۔ "مجھے لگتا تھا کہ تم گلٹی ہو کہ....."

"میں گلٹی نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ زرتاشہ سے اتنی محبت کروں جتنا اس کا حق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ.... یہ میں نہیں کر پا رہا ابھی۔"

"فارس میاں بیوی کو ایک دوسرے سے لازمی محبت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے درمیان مودت اور مرحمت ہونی چاہیے۔ مودت کہتے ہیں الفت کو، اٹیچ ہونے کو، دوستی ہو جانے کو۔ اور مرحمت ہوتی ہے ایک دوسرے سے ہمدردی، compassion، خیال رکھنا، احساس کرنا دوسرے کا۔ محبت ضروری نہیں ہوتی۔ اور جانتے ہو، بیوی اپنے شوہر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تم اس کو کہو وہ خوبصورت ہے، وہ ہر روز نکھرتی جائے گی، اسے کہو وہ خدمت گزار ہے، وہ مزید خدمت کرے گی، اس کو سراہو گے تو اس کا اعتماد بڑھے گا، لیکن اگر ہر وقت اس کے اندر نقص نکالو گے تو اس کو کھوکھلا کر دو گے، وہ ٹیڑھی پسلی سے نکلی ہے، اس کو سیدھا کرنے کی کوشش میں تم اسے توڑ دو گے۔ اس لئے اس کے ساتھ دوستی اور رحم کا رشتہ رکھو۔ میں چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ خوش رہو، اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ خوش رہے۔ کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔" الفاظ وارث کے لبوں سے نکل کر ہوا میں ٹھہرتے گئے۔ کہتے ہیں تمام الفاظ فضا میں معلق ہو جاتے ہیں، ازل سے ابد تک کے لئے ٹھہر جاتے ہیں، اسی لئے ہم جب چاہیں انہیں یاد کر لیتے ہیں.... محسوس کر لیتے ہیں.... وہ الفاظ کی اس بازگشت سے تب نکلا جب سامنے والی کرسی کھینچی گئی۔ فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور فوراً کھڑا ہو گیا۔

"سارہ!" احتراماً سر کو خم دیا۔ سارہ ملائمت سے مسکراتی سامنے بیٹھی۔

"خیریت تھی نا فارس؟ تم نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے بلوایا۔"

"کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔" وہ کہتے ہوئے واپس بیٹھا۔ سارہ نے اپنی سبز آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بال جوڑے میں باندھے، ہاتھ میں فولڈر اور پرس اٹھائے ہوئے تھی۔ آفس سے لنچ بریک میں آئی تھی۔ وہ پہلے اس سے

بچیوں کا حال پوچھنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد بولا۔

''دو آپشن ہیں آپ کے پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ ''یا تو آپ انگلینڈ چلی جائیں' کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو جائیں' میں ہر چیز ارینج کروا دوں گا۔ یا پھر آپ اگر گواہی دینا چاہیں تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔''

''گواہی؟'' سارہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔ رنگت سفید پڑی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''سعدی مل گیا ہے سارہ۔ اور جب وہ واپس آئے گا تو وہ عدالت میں جائے گا۔ آپ سعدی کے ساتھ تھیں اس رات' میں جانتا ہوں' عدالت آپ کو بلائے گی.... واپس بیٹھ جائیں۔'' آخری الفاظ سختی سے کہے اور وہ جو اٹھنے لگی تھی' بے بسی اور غصے سے اسے دیکھتی واپس بیٹھی۔ ''تو آپ گواہی دیں یا نہیں' فیصلہ آپ نے کرنا ہے' لیکن میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ زمر اور سعدی چاہیں گے کہ آپ عدالت میں پیش ہوں' مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ اگر آپ نہیں پیش ہونا چاہتیں تو ان کے علم میں لائے بغیر میں آپ کو یہاں سے بھجوا دوں گا کسی محفوظ مقام کی طرف۔ فیصلہ آپ کا ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر واپس ٹیک لگا کر بیٹھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی' بولی کچھ نہیں۔ کتنے ہی پل خاموشی سے بیت گئے۔ پھر وہ ذرا نرمی سے بولا۔

''ابھی کسی کو آپ کا نہیں پتہ' اس لئے ابھی تک فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کرنل خاور کو پتہ ہے۔'' اس کے لب پھڑپھڑائے۔ فارس کا اطمینان غائب ہوا' ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''کیا؟ وہ کب ملا آپ کو؟''

''سعدی کے اس.... اس حادثے کے تین دن بعد.... میں رات کو اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب....'' وہ نظریں جھکائے' ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔

رات کے اس پہر..... کمرہ تاریک تھا۔ سوائے مدھم نائٹ بلب کی زمرد روشنی کے' جو منظر کو دیکھنے قابل بنا رہی تھی۔ بیڈ پہ سارہ لحاف تانے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان واضح نظر آتے تھے۔ دائیں بائیں اسامہ اور نور بے خبر سو رہی تھیں۔ تبھی کوئی کھٹکا سا ہوا۔ سارہ کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ لاؤنج سے کسی شے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلی' پیروں میں سلیپرز ڈالے اور باہر آئی۔

''امی؟'' محتاط انداز میں پکارتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو دیکھا' سامنے ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا ہے۔ سارہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا' مگر اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ اٹھاتی' کسی نے گردن سے دبوچ کر اسے دیوار سے لگایا اور منہ پہ سختی سے ہاتھ جما دیا۔ ساری چیخیں اس کے حلق میں دم توڑ گئیں۔

ٹی وی کی روشنی کے باعث' وہ خوفزدہ آنکھوں سے اتنا تو دیکھ سکتی تھی کہ پستول کی نال اس کی گردن پہ رکھنے والا کرنل خاور ہے۔

''آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ سارہ نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں ہاتھ دیوار پہ جمائے' وہ کانپنے لگی تھی۔
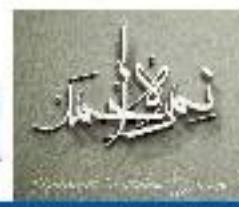
''تم سعدی کے ساتھ تھیں' تم نے سب دیکھا ہے' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' کیونکہ وہ کہے گا تمہیں مار دوں' لیکن اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں تمہاری بچیوں کو غائب کرا دوں گا۔ سن رہی ہو یا نہیں؟'' سارہ جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگی۔ آنسو آنکھوں سے ابل ابل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے....

''وہ دس منٹ کھڑا رہا' مجھے ڈراتا رہا' دھمکاتا رہا اور میں ڈر گئی۔ اس کی آمد کے بارے میں نے امی تک کو نہیں بتایا۔''

''مجھے تو بتا دیتیں سارہ۔ میں تو تھا نا آپ کے پاس۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔ سارہ نفی میں سر ہلاتی پرس اٹھاتے ہوئے اٹھی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے فارس۔ مجھے جو بھی فیصلہ کرنا ہے' خود کرنا ہے۔'' وہ اس سے اپنی بھیگی نظریں ملائے بغیر چلی گئی اور وہ لب بھینچے بیٹھا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی گریباں کے تار گنتے' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے
گزر گئی زندگی ہماری.........سدا یہی امتحان دیتے

فوڈلی ایور آفٹر کے بالائی ہال کا دروازہ فارس نے دھکیلا تو روشن سے ہال میں زمر سر جھکائے میز پہ جھکی کچھ لکھتی نظر آئی۔ آہٹ کے باوجود سر نہیں اٹھایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ زمر نے آنکھیں اٹھائیں تو ان میں اندر تک اترنے والی چبھن تھی۔

''اسی جگہ بیٹھ کر تم نے کہا تھا کہ اب مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔'' اس کے الفاظ اتنا صدمہ لئے ہوئے تھے کہ فارس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ چونک کر (ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتا) سیدھا ہوا۔ ''کیا ہوا؟''

زمر قلم پرے رکھ کر پیچھے کو ہوئی۔ ''کتنے مان سے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں کتنا غلط سمجھتی رہی مگر تم فارس....تم کبھی نہیں بدلو گے۔''

''اب کیا کیا ہے میں نے؟'' اس کی تیوری چڑھی۔

''تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم صرف کسی سے ملنے گئے تھے اور وہاں جا کر تم نے مار مار کر اس کا حشر برا کر ڈالا۔ یاد ہے کس کی بات کر رہی ہوں یا میں یاد کرواؤں؟'' وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تو فارس نے گہری سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن زمر بی بی' مار پیٹ کے بھی مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک مار ایسی ہوتی ہے جس میں درد ہوتا ہے مگر زخم نہیں بنتا اور ایسے ہی مارا تھا میں نے اسے' ورنہ مار مار کر اپاہج کیسے کیا جاتا ہے یا جان کیسے لی جاتی ہے' معلوم ہے مجھے۔'' وہ سرد مہری سے خفا خفا سا کہہ رہا تھا۔ ''دو ہاتھ لگا دینے سے اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ ہاں جو منہ پہ اسے مارا' اس کے لئے معذرت کر لی تھی میں نے۔ اب کیا پاؤں پڑتا؟ اور سعدی کو دیکھو۔ دو دن صبر نہیں ہوا۔ پیاری پھپھو کو کال کر کے سب بتا دیا۔ اور کون سی شکایتیں لگائی ہیں میری؟'' وہ برہم تھا اور خفا بھی۔ (اس لیے تو اسے نہیں دیا تھا زمر کا پرائیوٹ نمبر کہ وہ اس کی شکایتیں لگاتا پھرے!)

زمر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اسے چند لمحے لگے یہ سمجھنے میں کہ وہ دونوں دو مختلف لوگوں کی بات کر رہے تھے' اور جب اس نے فارس کے الفاظ کو از سرِ نو سوچا تو.....

''تم نے سعدی کو مارا؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح غراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو اور کیا پیار کرتا؟ جتنا خوار اس نے مجھے کیا' اس کے بعد وہ ہاتھ نہ جڑتا تو وہ اب بھی واپس نہ آتا۔''

''تم نے سعدی کو.... مارا؟'' وہ بے یقین تھی۔ کون ڈاکٹر' کیا ڈاکٹر' اسے سب بھول گیا تھا۔

''میرا خیال ہے آپ سوگ مناتی رہیں' جب تک میں کچھ کام کر لوں۔'' تلخی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زمر ابھی تک شل کھڑی تھی۔ وہ غصے میں بھی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتی' وہ باہر نکل گیا تھا دروازہ زوردار آواز سے بند کر کے۔

وہ بے دم سی واپس کرسی پہ گری۔ سعدی..... ڈاکٹر قاسم..... فارس غازی کے بارے میں اسے سچ نہ ہی پتہ چلا کرے تو زیادہ بہتر تھا۔ اسکا دماغ سخت الجھ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہمارے لفظوں سے نطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ

سخن ورو! ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زباں دیتے

ہوٹل کا ڈائننگ ہال برقی قمقموں اور جھلملاتے فانوس سے روشن تھا۔ آبدار عبید نے اس وسیع و عریض ڈائننگ ایریا کی دہلیز پہ رک کر موبائل کی اسکرین روشن کی' اور پھر میسج لکھا۔ ''میں واپس آ گئی ہوں' فارس۔ کیا ہم مل سکتے ہیں اب؟'' اور بھیج دیا۔ وہ سر پہ سرخ رومال کشمیری لڑکیوں کے انداز میں باندھ کر پیچھے کو ڈالے' سفید منی کوٹ پہنے' لیڈیز ٹو پیس سوٹ میں ملبوس تھی۔ پاؤں میں اونچی سلور ہیل تھی' اور کہنی پہ اٹکا ڈیزائنر بیگ جو سورج مکھی کے پھول جیسا زرد تھا۔

دور سے اس نے ہاشم کو دیکھ لیا تھا سو نزاکت سے قدم قدم چلتی وہ آگے آئی۔ وہ دیوار کے ساتھ ایک میز پہ موجود تھا۔ ٹو پیس سیاہ سوٹ' اوپری جیب سے جھلکتا سفید کارڈ' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا' اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔ آبی کو آتے اس نے دیکھ لیا تھا تبھی آنکھوں میں نرم سا تاثر ابھرا' اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

آبدار اس کے سامنے آ رکی۔ ہاشم آگے بڑھا' اس کے لئے کرسی کھینچی' پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھا۔

''ہیلو گریم ریپر!'' وہ مسکرا کر بیٹھی اور بیگ میز پہ رکھا۔

''ہیلو ریڈ!''

''میں کھانا کھانے نہیں آئی' تیمارداری کرنے آئی ہوں۔ تمہاری تیمارداریاں نہیں بھولتی میں۔ کیسے ہو؟'' وہ محظوظ انداز میں بولی تھی۔

وہ ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکتے' ویٹر کو بلانے لگا۔ کھانا آنے تک وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ مؤدب بیرے دائیں بائیں سے آ کر

میز پہ اشیائے طعام سجاتے گئے۔ گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی موم بتی کا شعلہ بھی روشن تھا۔ آبدار چہرے پہ مدھم مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی البتہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ مزید بے چین ہوتی جا رہی تھی۔

''آج کل میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا ہوں۔'' وہ آگے کو ہو کر بیٹھا' نگاہیں کبھی موم بتی پہ جھکاتا' کبھی اٹھا کر اسے دیکھ کر بولتا۔

''فارس کے بارے میں (آبدار کی رنگت فق ہوئی' اس نے پہلو بدلا) مجھے لگتا ہے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ جیسے وہ سعدی کے بارے میں سب جانتا ہے' جیسے سب لوگ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔'' وہ دھیمے یاسیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''جب میں موو آن کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو یہ باتیں میرے لئے بے معنی ہیں۔''

''یہ صرف تمہارا وہم ہے ہاشم!'' وہ مضطرب سی بولی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھ کانپے تھے۔

''سچ بھی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ دشمنیاں' یہ سیاستیں' یہ سب پیچھے چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' وہ واقعی تکان سے کہہ رہا تھا۔ ''کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں.... کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتی ہو۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔ نگاہیں آبی پہ جمی تھیں۔ ''تم جانتی ہو کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں تم نہ ہو۔ کہتے ہیں جب کوئی کسی کی جان بچاتا ہے تو اس کی زندگی اس مسیحا کی امانت بن جاتی ہے' تمہاری زندگی جتنی تمہاری ہے اتنی میری بھی ہے۔''

پسِ منظر میں بجتی دھیمے سروں کی موسیقی.... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ.... خوابناک زرد روشنیاں.... ہر شے سے بے نیاز وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''آئی.... ایم.... اِن لو.... ود.... یو۔'' اس نے یہ الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے تھے۔ آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ ہنوز جمی تھیں۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی ایک ساتھ گزاریں۔ کسی دوسرے ملک چلے جائیں' جہاں تم کہو۔ اور ایک نئی دنیا بنائیں۔ اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ؟ مگر موسمِ گرما سے زیادہ تاخیر میں نہیں کر سکتا۔''

چند لمحوں کی بوجھل خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہوئی۔ آبدار ذرا آگے کو ہوئی' خشک لب گیلے کر کے آپس میں مس کیے۔ ''ہاشم' میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں' اور تمہیں بہت پسند کرتی ہوں' تم نے میری جان بچائی تھی' مگر یہ سوال.... یہ پروپوزل.... یہ بہت غیر متوقع ہے میرے لئے۔''

''مجھے کوئی جلدی نہیں' ریڈ۔ تم سوچ لو۔'' وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں پل بھر کے لئے بھی آبی کی آنکھوں سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ ''سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو' کچھ دن لے لو....''

''ہاشم....'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''میں نے سوچ لیا ہے۔ میں تمہاری بہت اچھی دوست ہوں' اور دوست ہی رہنا چاہتی ہوں' مگر یہ

سب.... شادی.... رشتہ.... نئی زندگی.... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں.....“

”آبدار!“ آنکھیں اس کی آنکھوں پہ مرکوز کیے اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہتے نرمی سے آبی کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ آبدار کا ہاتھ جتنا گرم تھا‘ اتنا اس کا ٹھنڈا تھا۔ ”میں نے کہا نا‘ تم سوچ لو‘ کچھ دن لے لو‘ آرام سے فیصلہ کرو.... اور پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ.... ہوں!“ اور ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے لہجے کی ٹھنڈ آبی کے اندر تک سرایت کرتی اس کے خون کو جما گئی۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ وہ اب نیپکین کھولتا اس سے ہارون کا حال پوچھ رہا تھا۔ آبدار کی ساری بھوک مر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
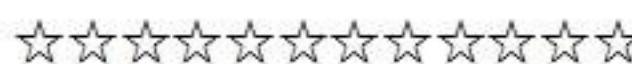
مرا یہ خون مرے دشمنوں کے سر ہوگا
میں دوستوں کی حراست میں مارا جاؤں گا

صبح کے اس پہر ائیرپورٹ کی ساری بتیاں دور سے جھلملاتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ اندر لوگوں کا بے نیاز ہجوم اپنی اپنی سمت میں گامزن تھا۔ ایک کاؤنٹر کے سامنے ٹوپی‘ اور بڑھی شیو والا لڑکا کھڑا تھا جس کی آنکھوں پہ چشمہ لگا تھا۔ سامنے بیٹھا آفیسر اس سے معمول کے سوالات پوچھنے کے بعد استفسار کر رہا تھا۔ ”سو آپ افغانستان سے آرہے ہیں؟“

”جی‘ میں سری لنکا سے افغانستان گیا تھا‘ چند گھنٹے وہاں قیام کیا‘ ایک دو دوستوں سے ملا اور پھر یہاں آگیا۔“ اس نے رٹا رٹایا بیان دہرایا۔

”حیدر ہمایوں خان۔ ویلکم ٹو پاکستان۔“ اس نے پاسپورٹ پہ مہر لگاتے ہوئے کہا۔ عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔

کچھ دیر بعد وہ کندھے پہ بیگ اٹھائے‘ قدم قدم چلتا ائیرپورٹ کے احاطے سے باہر آرہا تھا۔ جیکٹ کی زپ بند کرلی تھی اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے تھے۔

شہر ویسا ہی تھا‘ ویسی ہی ٹھنڈ‘ ویسے ہی لوگ۔ سعدی نے چلتے چلتے چہرہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ تارے تھوڑے بہت دکھائی دیتے تھے‘ ماحولیاتی آلودگی کی دبیز تہہ نے ستاروں کو بڑے شہروں کے آسمان سے عرصے ہوا چرا لیا تھا۔ مگر چلو.... آسمان تو اپنا ہی تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرکے ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔

چند گھنٹوں کا یہ سفر بے حد اذیت ناک تھا۔ ہدایت کے مطابق وہ ڈائیریکٹ آنے کی بجائے لمبا روٹ لے کر آیا تھا۔ ہر پل اسے لگتا تھا کہ وہ پکڑا جائے گا‘ مار دیا جائے گا.... مگر پاسپورٹ گورنمنٹ ایشوڈ تھا‘ نقلی نہیں تھا‘ سو سفر آرام سے طے ہوگیا۔ اور اب پاک سرزمین اس کے قدموں میں بچھ چکی تھی۔ فارس نے فون کر کے اسے چند دن کی مہلت دی تھی اور گو کہ وہ ابھی کچھ دن مزید تنہائی میں اپنا دماغ ”خالی“ کرنا چاہتا تھا‘ لیکن اب وہ مزید نہیں بھاگ سکتا تھا۔ چیونٹی کو اپنے گھر واپس جانا ہی تھا۔

ٹیکسیاں اس کے قریب آ کر رکتیں‘ ہارن دیتیں‘ سوال کرتیں‘ مگر وہ نظرانداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔ دفعتاً سڑک کنارے ایک کوڑا دان کے ساتھ ٹھہرا‘ جیب سے پاسپورٹ نکالا اور اس کے چار ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا کوڑا دان میں پھینکا اور پھر آگے چلتا گیا۔ دو ٹکڑے سڑک

کنارے مروڑ کر اچھال دیے اور آخری ٹکڑا چند کوس دور ایک دوسرے کوڑا دان میں ڈال دیا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

چند لمحے گزرے... اور اس پہلے کوڑا دان کے ساتھ ایک شخص آ کر رکا۔ رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ اتنا واضح نہ تھا۔ کوٹ کے کالر اس نے کھڑے کر رکھے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا' کانوں کے گرد مفلر... اس نے جھک کر کوڑا دان میں ہاتھ ڈالا' پاسپورٹ نکال کر ایک پلاسٹک پیکٹ میں ڈالا۔ پھر آگے بڑھا۔ سڑک کنارے لگی باڑ پھلانگی۔ اس طرف سے مڑے تڑے دونوں ٹکڑے اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالے۔ پھر واپس سڑک تک آیا۔ سامنے سعدی یوسف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا اور جس لمحے سعدی نے آخری ٹکڑا ایک کوڑے دان میں اچھالا' وہ شخص ٹھہر گیا' یہاں تک کہ سعدی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب وہ دبے قدموں آگے آیا' یہ ٹکڑا بھی اٹھایا اور اپنی زنبیل میں ڈالا۔

''یہ پاسپورٹ ذرا سی گوند سے واپس جوڑ کر عدالت میں سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لیے کافی ہے۔'' اس نے پلاسٹک کی زنبیل کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے خود سے کہا۔ چند لمحوں بعد سرخ مفلر سے منہ ڈھانپے' شخص دوسری سمت جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان سے کہو ہم طوفانوں سے ڈرنے والے لوگ نہیں

قاتل کو مرتے دم تک قاتل ہی بولا جائے گا

جمعے کی دوپہر اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے خوبصورت بنگلے قطار میں کھڑے دھوپ نرم گرم سینکتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کے برآمدے کے دروازے پہ مور چال کی تختی نصب تھی۔ اندر جاؤ تو لاؤنج میں گہما گہمی تھی۔ آج جمعہ تھا اور جمعہ ویسے بھی پاکستان کی ساری ندرت بہنوں کا یومِ بریانی ہوتا ہے سو اس وقت کچن میں رونق لگی تھی۔ ندرت ایک طرف سیم کو برتن لگانے کا کہہ رہی تھیں' تو دوسری طرف رائتہ پھینٹتی حنین کو تیز ہاتھ چلانے کا۔ زمر کھڑی سلاد کاٹ رہی تھی۔ فارس لاؤنج میں بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا' اور بڑے ابا ٹی وی پہ خبریں دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں ڈور بیل بجی۔ ایک دفعہ ذرا سی گھنٹی۔ باوقار انداز۔

دہی پھینٹتی حنہ کے ہاتھ تھمے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ جمعہ... بریانی... ساری فیملی کا اکٹھا ہونا اور پھر ڈور بیل... کس کی کمی تھی؟ کس نے آنا تھا؟ حنین کے سارے وجود میں خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک دم سب چھوڑ کر بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ فارس دروازہ کھولنے اٹھ گیا تھا مگر وہ تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

''پلیز مجھے کھولنے دیں۔'' اس کی آنکھیں نم تھیں۔ فرطِ جذبات سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ فارس مسکرا کر رک گیا۔ ''اس نے آج ہی آنا تھا۔''

حنین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ پورچ کا دروازہ کھولا اور پھر گیٹ کی طرف لپکی۔ کوئی گیٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ حنہ نے دھڑکتے دل اور مسکراتے چہرے کے ساتھ گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور.....

حنین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ساری دنیا ہی منجمد ہوگئی گویا برف کا اجڑا ویران صحرا بن گئی ہو۔

''ہیلو حنین!'' باہر کھڑے ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ تھری پیس گہرے سیاہ سوٹ میں ملبوس' وجیہہ چہرے والا ہاشم وہاں تنہا تھا۔ حنین کی نظریں اس کے عقب میں دوڑیں۔ پیچھے اس کی کار کھڑی تھی اور باہر چند گارڈ۔ حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ ''ہاشم بھائی' آیئے۔''

''تم اب مجھے ٹیکسٹ نہیں کرتی۔ کوئی ناراضی ہے کیا؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اندر داخل ہوا۔ وہ ملے جلے جذبات میں گھری اس کے ساتھ چلتی آئی۔

''اب مصروف ہوتی ہوں بہت۔ آپ اس دنیا میں موجود ہیں' یہ تک بھول جاتا ہے۔'' برآمدے کے اسٹیپس چڑھتے ہوئے ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میری موجودگی کسی کو نہیں بھولتی۔'' پھر اسٹیپ پہ چڑھا۔ آگے بند دروازہ تھا' اور اس پہ نصب تختی۔

''مورچال؟'' اس نے زیر لب پڑھا۔

''چیونٹی کا گھر!'' حنین بولی۔ ہاشم نے انگلی سے تختی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ڈھیلی ہے' مضبوطی سے جمی نہیں ہوئی' ذرا سی ٹھوکر سے گر جائے گی۔ اندر بتا دو میں آیا ہوں۔'' شائستگی سے کہتا وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔ حنین تیزی سے اندر آئی۔ (دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔)

''ہاشم.... ہاشم بھائی آئے ہیں۔'' لاؤنج میں پہنچ کر اس نے پھولے سانس کے ساتھ اطلاع دی۔ لمحے بھر میں تمام حرکات رک گئیں' آوازیں بند ہو گئیں۔ زمر اور ندرت کچن سے نکل آئیں۔ ابا' فارس اسے دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے زمر کو ہوش آیا۔

''ٹھیک ہے' وہ ہمارا مہمان ہے۔ فارس' تم اسے اندر لاؤ' ڈائننگ ہال میں۔ ہم کھانا لگاتے ہیں۔'' وہ تیز تیز ہدایات دیتے ہوئے بولی۔

''حنہ' سیم' بھابھی' ابا' سب سن لیں' کوئی کچھ ظاہر نہیں کرے گا۔ پہلے کی طرح نارمل رہیں گے سب۔ اوکے؟'' آنکھیں دکھا کر سختی سے وارن کیا۔ سب متفق تھے۔ فارس منہ میں کچھ چباتا بے نیازی سے اٹھا (گویا کچھ سنا ہی نہ ہو) اور باہر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد تمام گھر والے طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسیاں سنبھال رہے تھے جب فارس ہاشم کو لئے چلتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ہاشم مسکرا کر سب سے ملا۔ حال احوال دریافت کرتے ہوئے کرسی کھینچی۔ ابا کی سربراہی کرسی کے بائیں طرف۔ اس کے مقابل فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کے برعکس وہ رف سے سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ کرسی کھینچتے ہوئے بھی موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں غلط وقت پہ آ گیا شاید۔'' وہ سب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سب خاموش رہے۔ ندرت اس کو دیکھنا نہیں چاہتی تھیں' سو برتن درست کرتی رہیں۔ حنین سر جھکائے نیپکین جوڑتی رہی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی۔ ابا کے تاثرات بھی تنے ہوئے تھے۔

''نہیں' ایسا کس نے کہا؟'' فارس نے کندھے اچکائے اور بریانی کی بھاپ اڑاتی اشتہا انگیز مہک والی ڈش اٹھا کر سامنے رکھی۔ وہ چہرے سے سنجیدہ اور قدرے بے نیاز لگتا تھا۔

''بہت دن سے آنا چاہ رہا تھا.... آج ہی وقت نکال پایا۔'' ہاشم چمچ کانٹا سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔ ''آپ لوگ ٹینس لگ رہے ہیں۔ خیریت ہے؟'' زمر کا دل زور کا دھڑکا۔ جلدی سے مسکرا کر کہنے لگی۔ ''نہیں۔ دراصل آپ کی طبیعت کا سنا تھا تو....'' مگر فارس اس سے

پہلے ہی بول اٹھا۔

''ڈیٹنس کوئی نہیں ہے۔ بس سب کو علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری بیوی اور بھائی کو مارا تھا' اور آف کورس سعدی کو بھی زخمی' اغوا' واٹ ایور' وہ سب کروایا تھا۔ رائتہ؟'' کہتے ہوئے اس نے رائتے کا ڈونگا ہاشم کے سامنے رکھا۔ سب ایک دم بے یقینی سے فارس کو دیکھنے لگے۔ زمر تو بالکل شل رہ گئی۔

صرف ایک شخص نے جیسے کوئی اثر ہی نہیں لیا اور وہ ہاشم تھا۔ اس کا چہرہ ویسے ہی مسکراتا رہا اور نظریں فارس پہ جمی رہیں۔ پھر اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

''ظاہر ہے۔'' اور چاول پلیٹ میں نکالے' ذرا سا رائتہ اوپر ڈالا۔ سب کے سانس رکے ہوئے تھے۔ پھر ہاشم نے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مغموم سا تاثر تھا۔ آنکھوں میں سادگی تھی۔

''میں جانتا ہوں میں نے اچھا نہیں کیا۔'' آواز میں افسوس تھا۔

''سب جانتے ہیں۔'' فارس نے اسی بے نیازی سے کندھے اچکائے' موبائل ایک طرف دھرا اور اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

''انسان بہت سے کام کرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئیں۔ میں نے بھی غلطیاں کی ہیں' گناہ کیے ہیں۔ وارث کو....'' رک کر سلاد کے باؤل سے چند کھیرے اپنے پلیٹر میں نکالے۔ ''میں نہیں مارنا چاہتا تھا' مگر خاور مجبور ہو گیا تھا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ۔'' چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا' چند لمحے چبایا' پھر ندرت کو دیکھا جو اسے گلابی پڑتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ''آپ واقعی بہترین شیف ہیں۔ خیر۔'' فارس کی طرف نظریں پھیریں ''پور زرتاشہ.... وہ کولیٹرل ڈیمج بن گئی' اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں' اور مسز زمر کے لئے مجھے واقعی افسوس ہے.....''

زمر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔

فارس نے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے کندھے جھٹکے۔ ''یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔!''

''رہا سعدی تو مجھے اس پہ حملے کا علم نہیں تھا' ہاں جب پتہ چلا تو میں نے اس کو محفوظ جگہ بھجوا دیا' اس کا خیال رکھا' وہ بھی اتنا ہی ناراض ہے جتنا کہ آپ لوگ مگر یہ آپ سب کا حق ہے۔ وہ بہت جلد واپس آ جائے گا اور پھر ظاہر ہے وہ میرے خلاف کورٹ میں جانا چاہے گا۔''

''حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا' ابھی جب میں کینڈی میں اس سے ملا تھا۔'' فارس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے نظریں اٹھا کر ہاشم کو دیکھتے بتایا۔ ''مگر وہ اپنی بات پہ اڑا ہوا تھا' سو میرا خیال ہے' ہاں' وہ کورٹ جائے گا۔''

''اس کا حق ہے!'' ہاشم نے گہری سانس لی۔ وہ دونوں یوں گفتگو کر رہے تھے جیسے دوسرا کوئی وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ''مگر میں اپنے کسی گناہ کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔ آپ مجھے کورٹ میں لے جانا چاہیں' لے جائیں' میں سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار ہوں' لیکن.....'' اس نے رک کر ایک اور چمچ منہ میں رکھا اور چبایا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔ ''اس سے ہم دونوں خاندانوں کا نقصان ہی نقصان ہو گا۔ آپ اچھے لوگ ہیں۔ میں بھی اب پہلے والا آدمی جیسا نہیں رہا' خود کو بدل رہا ہوں' سو آنر کر رہا ہوں' میں چاہوں گا کہ آپ لوگ مجھے معاف

کردیں میں نے اپنے کیے کی بہت سزا بھگت لی ہے۔ ساری زندگی بھگتوں گا‘ مگر انتقام اور انصاف کی نئی جنگ لڑنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے میری وجہ سے بہت سفر (suffer) کیا ہے‘ میں نہیں چاہتا کہ آپ مزید دکھ اٹھائیں۔" پلیٹ پرے کھسکائی تو فارس نے اشارہ کیا۔ "اور لو نا۔"

"نہیں تھینکس‘ میں ڈائٹ پہ ہوں۔ بہر حال‘ میں ایک دفعہ پھر معذرت کرتا ہوں کیونکہ میں نے اسی لئے سعدی یوسف فاؤنڈیشن بنائی ہے‘ تاکہ مزید کسی خاندان کو اس سب سے نہ گزرنا پڑے۔ آگے آپ لوگ جو بھی کرنا چاہیں‘ آپ کی مرضی۔" نیپکین اٹھا کر ہاتھ صاف کیے۔ "میری طرف سے آپ آزاد ہیں‘ معاف کریں یا سزا دیں۔ میں پرانی باتوں اور حسابوں میں اب نہیں پڑنا چاہتا۔ میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ میں اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ تھینک یو۔"

"شیور۔ ویلکم!" ہاشم کھڑا ہوا تو فارس بھی کھڑا ہوا۔ ہاشم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ "مجھے کام ہیں کچھ‘ اب چلتا ہوں۔" فارس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سر کو خم دیا۔ "میں سعدی کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا ہاشم‘ مگر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" ہاشم الوداعی کلمات کہہ کر مڑ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

بریانی ٹھنڈی ہو گئی تھی اور جذبات گرم ابل رہے تھے۔ ڈائننگ ہال میں سانپ سونگھا ہوا تھا۔ سب شل تھے۔ ندرت بدقت بول پائیں۔

"وہ اپنے کیے پہ شرمندہ ہے!"

"تم نے.... اسے کیوں بتایا؟" زمر نے ہکلاتے ہوئے فارس کی طرف رخ پھیرا۔ وہ بے یقین تھی۔

"وہ ادریس اور میرے بارے میں پتہ کر وا رہا تھا‘ اس کو شک تھا‘ میں نے کنفرم کر دیا۔" وہ اسی رغبت سے چاول کھا رہا تھا۔

"انہوں نے ہم سے معافی مانگی۔" حنہ بھی بے یقین تھی‘ متحیر تھی۔

"پتہ نہیں۔" ابا تلخی سے بولے۔ یکدم باہر کسی شے کے گرنے کی آواز آئی۔ حنہ ایک دم اٹھ کر باہر بھاگی۔

دروازہ کھلا تھا اور پورچ کے ماربل کے فرش پہ دروازے کی تختی گری پڑی تھی۔ وہ اتنی زور سے دے ماری گئی تھی کہ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی تھی۔ بند گیٹ کے باہر گاڑیوں کے زن سے گزر جانے کی آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے.... سمجھ نہیں آ رہی وہ معافی کیوں مانگ رہا تھا‘ اور تم اس سے یہ کس طرح بات کر رہے تھے؟" اندر زمر ہنوز گومگو بول رہی تھی۔

"وہ معافی نہیں مانگ رہا تھا زمر۔"

اپنے آفس کی عمارت کی بالائی منزل کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے ٹائی ڈھیلی کی۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ تمتما رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ چل رہے تھے اور مسلسل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی کرسیوں اور کیبن میں کام کرتے ورکرز رک رک کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔ ٹھوکر سے اس نے نوشیرواں کے آفس کا دروازہ کھولا۔

("وہ مجھے چیک کر رہا تھا‘ کہ میرا غصہ کیسا ہے؟ کہ میں وہ پہلے والا انسان ہوں یا نہیں۔") سامنے میز کے پیچھے نوشیرواں بیٹھا‘ موبائل پہ لگا
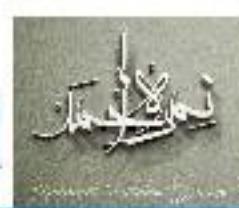
تھا۔ آواز پہ ناگواری سے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم کسی وحشی جانور کی طرح اس کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے جھپٹ کر کھڑا کیا' پھر یکے بعد دیگرے دو تھپڑ اس کے چہرے پہ جڑ دیے۔

"کیا بکواس کی تھی میں نے؟ سعدی یوسف کو مت چھیڑو۔ مجھے سنبھالنے دو۔" ایک تیسرا تھپڑ اسے دے مارتے ہوئے وہ چلایا تھا.....

("وہ جانچ رہا تھا کہ ہم کتنا جانتے ہیں۔ پرکھ رہا تھا کہ ہم کتنے اہل ہیں۔ محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے اعصاب کتنے مضبوط ہیں۔")

ہاشم نے ہکا بکا سے کھڑے شیرو کو پرے دھکیلا اور غصے سے حلق کے بل چلایا۔ "میری زندگی برباد کر دی تم نے.... ہم سب کو برباد کر دیا .... میری برسوں کی ساکھ.... عزت.... سب برباد ہو جائے گا...."

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سب سمجھ گیا ہے۔ وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں بے وقوف بن جائے گا۔")

نوشیرواں منہ پہ ہاتھ رکھے' حق دق شل سا کھڑا تھا۔ ہاشم ایک دم آگے بڑھا اور اس کی میز کی ساری چیزیں زور سے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیں۔

"وہ نیچ گھٹیا لوگ جن کو میں اپنے برابر کرسی پہ بھی نہ بٹھاؤں' وہ سب جانتے ہیں.... سنا تم نے؟ جس زمر کو تم اس آفس میں لاتے تھے' وہ سب جانتی ہے.... اور تمہاری وجہ سے میں ان کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔ تمہاری وجہ سے ان کو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ تیاری کر لیں۔" خون شام آنکھیں نوشیرواں پہ گاڑھے' وہ غرا رہا تھا۔ پھر اس نے کوٹ اتار کر پرے پھینکا۔

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا نقصان نہیں کریں گے' اپنا نقصان کریں گے۔ میں متفق ہوں ویسے اس بات سے مگر چونکہ سعدی سے وعدہ کیا ہے تو پھر..... نبھانا ہو گا!")

جواہرات تیزی سے آفس میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر انگشتِ بدنداں رہ گئی۔ منہ تک کھل گیا۔ بکھری ٹوٹی چیزیں' منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑا نوشیرواں اور شرٹ کے آستین چڑھاتا' غصے سے چیخ چیخ کر اسے گالیاں نکالتا ہاشم۔

"میرا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہے چند دن پہلے.... میں ایک اور سکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا تھا مگر تھینکس ٹو نوشیرواں کا کردار.... آدھا مرد نوشیرواں کا کردار.... اس نے میرا سب کچھ داؤ پہ لگا دیا...."

جواہرات کو ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ "ہاشم کیا ہوا ہے؟"

"فارس جانتا ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ ہمیشہ سے جانتا تھا۔ اور وہ لوگ ہمارے خلاف کورٹ جا رہے ہیں!" جواہرات کا سانس تھم گیا تھا۔

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ موو آن کرنے کے لئے تیار ہے.... وہ اگلے ہر مرحلے کے لئے تیار ہے.... وہ ہر شے کو سنبھالنے کے لئے تیار ہے....")

"اوہ گاڈ ہاشم!" جواہرات پریشانی سے اس کے قریب آئی۔ "اب کیا ہو گا؟"

"کیا مطلب کیا ہو گا؟ میں.... میں ہاشم کاردار ہوں۔ یہ میری زندگی کی پہلی جنگ نہیں ہے ممی۔ میں اس پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔

وہ ایک ایک روپے کے محتاج ہو کر چوبیس گھنٹوں میں سڑک پہ آجائیں گے.... میں.... تیار.... ہوں!'' نفرت اور تلخی سے چبا چبا کر کہتے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اونچی آواز میں رئیس سمیت دوسرے افراد کو اندر آنے کا کہنے لگا.... افراتفری.... چیخ وپکار.... بھگدڑ..... پورے آفس میں گویا قیامت آ گئی تھی.....

(''ہاشم ٹھیک سوچ رہا ہے۔ وہ تیار ہے۔ وہ ہمیشہ ہی تیار ہوتا ہے زمر۔ وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے' مگر وہ ایک عظیم آدمی ہے۔ لیکن اس کو صرف ایک بات معلوم نہیں۔ کہ اس دفعہ....'' کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے فارس مسکرا کر بولا تھا۔ ''میں بھی تیار ہوں۔'')

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
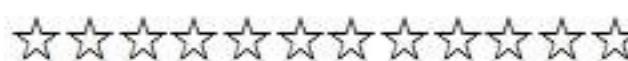
عداوتوں کے عذاب سورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسن
ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے

جمعہ کی اس دوپہر یوں لگتا تھا گویا برفیلے بادلوں کی تہہ پگھل کر فضا میں غائب ہو گئی ہو' اور کہیں اچانک سے سنہری سورج آسمان پہ نمودار ہوتا پورے شہر کو سونے کا خول چڑھا گیا ہو۔

اپنے آفس کے کھلے دروازے پہ ہاشم اسی طرح ڈھیلی ٹائی اور چڑھے آستین کے ساتھ کھڑا' وہ چند افراد کو اندر جانے کا راستہ دے رہا تھا۔ آخری داخل ہونے والے صاحب ہارون عبید تھے۔ ان کے پیچھے احمر آنے لگا تو....

''تم ابھی اسی وقت فائرڈ ہو۔'' رعونت سے انگلی سے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔ احمر ساکت رہ گیا۔ ''مگر سر....''

''تم فارس کے دوست ہو' مجھے اعتبار نہیں رہا تم پر اور اس وقت میرا اعتبار تم کما نہیں سکتے.... سو.... آؤٹ!'' ہاشم غصے سے کہہ کر اس کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر آیا۔ جواہرات اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی نظر آ رہی تھی اور ناگواری سے سامنے بیٹھتے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''ہارون کو کیوں لائے ہو؟ تاکہ یہ خوش ہو جائیں؟ ان کی وجہ سے ہمارا اپاور پلانٹ تباہ ہوا ہاشم!''

''ہمیں اس وقت ایک ہونا ہے ممی' اپنی سیاستیں بعد میں کیجئے گا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کر آگے آیا۔ ہارون کافی محظوظ ہوتے نشست سنبھال چکے تھے۔ باقی لوگ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ نوشیرواں سر جھکائے بیٹھا تھا.... اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آج ہاشم نے بھی وہی گالی دی تھی مگر وہ اسے تین گولیاں نہیں مار سکتا تھا! تو چوائس ہمیشہ انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے!

''اسکینڈل کو اس کے شروع ہونے سے پہلے کچلا جاتا ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اسے کچلنا ہو گا۔ میں ہاشم کاردار ہوں' اور یہ اسکینڈلز میرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ہاں اگر میں ڈوبا' تو تم سب بھی میرے ساتھ ڈوبو گے۔'' اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑے وہ ماتھے پہ تیوریاں ڈالے بلند مگر آہنی آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا.....

''ایک گھنٹے کے اندر اندر....'' وہ اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑا تحکم سے کہہ رہا تھا۔ ''ان لوگوں کو ہم پائی پائی کا محتاج کر دیں گے۔ ان کے پاس مہینہ بھر زندہ رہنے کا خرچہ بھی نہیں ہو گا۔'' پھر اس نے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہا تھا۔

''چند آئی ڈی کارڈز کی کاپیز بھیج رہا ہوں قدیر صاحب۔ یوسف خاندان کے ان آئی ڈی کارڈز سے وابستہ تمام بینک اکاؤنٹس فریز کر دیے جانے چاہیے.... آپ کے پاس ایک گھنٹہ ہے....''

''جب ان کے سارے اثاثے منجمند کر دیے جائیں گے تو ان کے پاس ہم سے لڑنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ ان کو اپنی فکر پڑ جائے گی۔'' ہارون نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ جواہرات ''ہوں'' کہہ کر رہ گئی۔

''مجھے اس ملک میں....'' ہاشم اب رئیس سے کہہ رہا تھا۔ ''ان کی ایک ایک زمین' پلاٹ' مکان' سب کا حساب چاہیے۔ یہ گھر جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ ہارون تم اس کے مالک سے رابطہ کرو' ہم ابھی اسی وقت اس کو خرید رہے ہیں' شام تک ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جانا چاہیے۔ اور تم!'' سامنے کھڑے تین افراد کی طرف متوجہ ہوا' جو اس کی ہدایت کے منتظر تھے۔

''اپنے سارے آدمی لے جاؤ.... شہر کے بدترین فراری مجرم جو کسی سے نہ ڈرتے ہوں.... کوئی پولیس' کوئی چیک پوسٹ' تمہیں آج کے دن کوئی نہیں روکے گا۔ ان کے گھر کے باہر جا کر اپنی گاڑیاں روکو اور گولیاں چلا چلا کر ان کی دیواروں کو چھلنی کر دو' سارے شیشے توڑ دو۔ جب متوقع خوف و ہراس پھیل جائے تو واپس آ جانا۔''

آفس میں ہر کوئی اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ہارون فون کرنے باہر چلے گئے تھے' ہاشم بھی موبائل پہ مصروف تھا۔ ایک نوشیرواں تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔

''بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے....'' ہارون نے اپنی جگہ پہ دوبارہ بیٹھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ ''ان کے نام پہ کوئی پراپرٹی نہیں بچی۔ کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے' جس پہ قبضہ کر کے ہم ان کی کمر توڑ سکیں۔ واحد بچی ہوئی پراپرٹی اس نے آپ کو ہی فروخت کی تھی۔ وہ انیکسی جس کی مالیت کے کروڑوں روپے فارس غازی کے کسی اکاؤنٹ میں پڑے ہوں گے اس وقت۔'' محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گئی۔

''میں نے اپنی انا کے پیچھے وہ انیکسی خرید لی' مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میری ہی رقم سے ہمارے خلاف کیس لڑے گا۔''

''اور وہ گھر؟'' ہاشم نے تیزی سے بات کاٹی۔ ''وہ کس کے نام ہے؟''

''وہ چند دن پہلے ان خاتون سیاستدان نے خریدا ہے' جن کو بدنام کرنے میں تمہاری ماں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ہم اس عورت سے وہ گھر نہیں خرید سکتے۔ ہم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے اور ہاشم نے غصے سے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر دیوار پہ دے مارا۔ کانچ کے ٹکڑے فرش پہ جا گرے۔ سب خاموش ہو گئے۔ پھر وہ فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن وہ اس رقم کو نہیں استعمال کر سکیں گے۔ جب ان کے بینک اکاؤنٹس فریز ہو جائیں گے تو وہ اس رقم سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ ہاشم کے چہرے پہ جوش تھا۔ امید تھی۔

''جی قدیر صاحب؟ کام ہو گیا؟'' رابطہ ملتے ہی وہ تیزی سے بولا۔ ''گڈ'' وہ مسکرایا۔ ''تو ان کے تمام اکاؤنٹس فریز ہو گئے۔ ویری گڈ۔'' اس نے وکٹری کی دو انگلیاں بنا کر اوپر اٹھائیں۔ جواہرات نے سکون کی پہلی سانس خارج کی۔ ''یعنی اب وہ ان بینک اکاؤنٹس

سے کچھ نہیں لے سکتے۔ زبردست۔ ویسے اندازاً کتنا سرمایہ فریز ہوا ہوگا؟" اور پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ "دو ہزار سینتیس روپے؟ آپ مذاق کر رہے ہیں؟" ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا۔ آفس میں سناٹا چھا گیا۔ "کیا مطلب؟ ان کے اکاؤنٹس خالی کیوں ہیں؟ پچھلے ایک ماہ میں انہوں نے اپنا تمام سرمایہ کہاں منتقل کر دیا ہے؟"

اب کی دفعہ اس نے فون آہستہ سے پرے ڈالا تھا۔ "فارس اپنی تمام رقم کہیں اور منتقل کر چکا ہے اور ہم ٹریس نہیں کر پا رہے کہ کدھر۔"

"سر.... پلیز یہ دیکھیں۔" حلیمہ تیزی سے آفس میں داخل ہوئی اور اس سے پہلے کہ ہاشم اس کو جھلا کر باہر جانے کو کہتا' اس نے ایک ٹیب میز پہ رکھا۔ اسکرین پہ موجود چہرہ دیکھ کر ہاشم چونک کر سیدھا ہوا۔

"میرا نام ہے سعدی یوسف!" وہ سڑک کنارے چلتے ہوئے' سیلفی کیمرے سے اپنے چہرے کی ویڈیو بناتا تلخی سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے آٹھ ماہ تک سری لنکا کے شہر کولمبو کے ہوٹل (نام لے کر) کے تہہ خانے میں قید رکھنے والے کاردار خاندان اور ہارون عبید کو میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں.... واپس آ گیا ہوں' اور میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔ میں عدالت میں جا کر بتاؤں گا کہ مجھے گولیاں مارنے والا نوشیرواں کاردار تھا' مجھے اغوا کر کے حبسِ بے جا میں رکھنے اور نیسکام پراجیکٹس کے حساس راز پوچھنے کے لیے تشدد کرنے والے مشہورِ زمانہ IPPs ہارون عبید اور ہاشم کاردار تھے۔" وہ چلتے چلتے پورے اعتماد سے بولتا جا رہا تھا۔ چہرے پہ سختی اور آنکھوں میں تپش تھی۔ "اور اگر مجھے قتل کر دیا گیا یا غائب کر دیا گیا تو ہاشم کاردار اور ہارون عبید کو پکڑا جائے۔ کیونکہ...." ویڈیو کافی لمبی تھی۔ سنسنی خیز بھی تھی۔ جہاں ہاشم کے چہرے کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا وہاں ہارون کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی تھی اور وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اپنے نام پہ چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ جواہرات بالآخر ہلکی سی مسکرائی تھی۔ جلتے دل پہ پھوار پڑی تھی۔

نوشیرواں جو اس سارے اثناء میں سر جھکائے بیٹھا تھا' ایک دم کھڑا ہوا۔ وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

"بھائی.... لوگ اس ویڈیو کے نیچے میری تصویریں پوسٹ کر رہے ہیں۔ میری کوئی پرائیویسی ہے۔ یہ سب مجھے بدنام کر رہے ہیں۔" اس کا چہرہ فق تھا اور اس پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پھر وہ لپک کر ہاشم کے پاس آیا۔ "مجھے اس سب سے نکالیں بھائی۔ پلیز کچھ کریں!" اس کے چہرے پہ التجا تھی۔ ساری ہٹ دھرمی' وہ پورا مرد بننے کا زعم' سب غائب تھا اور وہ بوکھلایا ہوا لگتا تھا۔

ہاشم نے ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالی۔ "ہاں ایک اسی کام کے لئے ہے تمہارا بھائی۔ مگر بے فکر رہو' ہر دفعہ کی طرح تمہارا پھیلایا گند میں صاف کر لوں گا۔" اور فون اٹھا کر ان افراد کو کال کرنے لگا جو اس نے فارس کے گھر کی طرف روانہ کیے تھے۔

"ان کے گھر کے سارے شیشے توڑ ڈالو۔ انہوں نے ویڈیو بنا کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنی گولیاں برسانا کہ ان کی دیواریں چھلنی ہو جائیں۔" ازسرنو تاکید کرتا وہ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں کھا کر ٹھوکر ابھی تک حوصلہ مند ہوں
یہ ٹھوکر جو تمہیں لگتی تو تم خود بکھر جاتے

فروری کی وہ گرم دوپہر اس بنگلے کی سبز بیلوں کو بھی جھلسائے جا رہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکی کا بیرونی شیشہ سنہری روشنی کو منعکس کرتا چمک رہا تھا۔ اس گرم شیشے پہ تم اپنا ماتھا ٹکا کر اندر جھانکو تو ڈائننگ ٹیبل سے سب اٹھ کر اب لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ ندرت اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ابا فکرمندی سے کبھی فارس کو دیکھتے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سا بیٹھا تھا' اور کبھی زمر کو جو بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ حنین اور سیم سامنے صوفے پہ خاموش مگر مضطرب بیٹھے تھے۔

''سعدی کو گھر آ جانا چاہیے تھا' وہ کیوں نہیں آیا؟'' زمر کو بے بس سا غصہ آنے لگا تھا۔ ''ہاشم سعدی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔''

''اونہوں۔ یہ وہ پہلا کام نہیں ہے جو وہ کرے گا۔'' فارس نے سیل فون سے چہرہ اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر کہا۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ سب اسے دیکھنے لگے۔

''پھر وہ کیا کرے گا؟''

فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' ایک بوٹ میز پہ رکھا' پھر قینچی صورت دوسرا بوٹ اس کے اوپر جمایا' ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھا' اور موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ سب سے پہلے اپنے سب سے قابل اعتبار ملازموں اور دوستوں کو اکٹھا کرے گا اور جن پہ اعتبار نہیں ان کو نکال دے گا۔ احمر شفیع کی تو آج ہوئی چھٹی۔''

''اچھا۔ پھر؟'' حنین نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پھر یہ کہ وہ اپنے اتحادیوں اور خود اپنے آپ کو یہ بتائے گا کہ وہ ہارا نہیں ہے۔ ایک لمبی تقریر کرے گا۔ میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ میں اس کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ وہ وہی کام کرے گا جو وہ ہمیشہ ایسے مواقع پہ کرتا آیا ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ۔''

''ظاہر ہے' کزن کس کا ہے۔'' زمر کلس کر بولی تھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر سر کو تائیدی انداز میں خم دیا۔

''پھر وہ اپنے ملازموں کو حکم دے گا کہ یوسف خاندان کی ایک گھنٹے کے اندر اندر کمر توڑ دی جائے۔'' فارس کے الفاظ پہ حنین کی آنکھیں پھیلیں۔ زمر بھی سیدھی ہوئی۔ ''مگر کیسے فارس؟''

''وہ ہمارے بینک اکاؤنٹس فریز کروا دے گا۔ اس کے اسٹیٹ بینک میں جتنے دوست ہیں' اتنے ہمارے پوری دنیا میں رشتے دار نہیں ہیں۔'' وہ موبائل پہ ہاتھ چلاتے ہوئے عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔

''ہمارے بینک اکاؤنٹس؟'' زمر بے دم سی ہو کر صوفے پہ گری۔ ''میری ساری سیونگز' ابا کے پیسے' سب بینک میں ہے۔ میں اتنی جلدی کیسے نکلواؤں گی سب؟''

''خیر اب تک وہ انہیں فریز کر چکے ہوں گے۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ویسے تو زمر بی بی آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں، مگر تھوڑی بہت عقل ہے مجھ میں۔ میں نے ہمارا سارا پیسہ کچھ عرصہ قبل چند آف شور بینک اکاؤنٹس میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ اس کو ٹریس بھی نہیں کر سکتے۔'' زمر کو اچنبھا ہوا۔

''مگر تم میرے بینک اکاؤنٹ کو کیسے آپریٹ کر سکتے ہو؟ تمہیں میری پن تک معلوم نہیں۔'' فارس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''بالکل آپ کی پن جو آپ کی ڈیٹ آف برتھ ہے وہ مجھے قطعاً معلوم نہیں۔'' حنین نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا اور ابا نے ہنسی روکنے کو چہرہ موڑ لیا البتہ سیم کے دانت نکل آئے تھے۔ زمر کے گال گلابی پڑے۔ تندہی سے فارس کو دیکھ کر بولی۔ ''مجھے اپنی ایک ایک پائی واپس چاہیے۔ اچھا۔''

''خیر ماموں، اکاؤنٹس فریز کرنے کی ناکام کوشش کے بعد وہ کیا کرے گا؟'' حنہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

''وہ ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کر کے سڑک پہ لانے کی کوشش کرے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ہمارا گھر خریدنا چاہیں گے؟''

''ہمارا گھر؟ اگر انہوں نے ہمارا گھر خرید لیا تو ہم کہاں جائیں گے؟'' زمر پھر سے پریشان ہونے لگی۔ وہ جتنا خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتی، اتنی مضطرب ہوتی جا رہی تھی۔ جواب میں سب نے خاموشی سے فارس کو دیکھا، جو اپنے سیل فون کو دیکھ رہا تھا۔

''ہم یہیں رہیں گے کیونکہ میں یہ گھر ایک ایسی شخصیت کے ہاتھوں فروخت کروا چکا ہوں جن سے وہ بات تک نہیں کر سکتے فی الحال۔'' اور ساتھ ہی ان خاتون کا نام بتایا۔ جس طرح وہ اطلاعات دے رہا تھا، اور سیم اور حنین دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ چہرہ جھکا لیتے تھے، چڑیل کا خون کھول رہا تھا۔

''خیر، تمہارا وہ ڈیئر کزن جو تمہاری وجہ سے ہم سب کے سروں پہ مسلط ہوا ہے، وہ اس کے بعد کیا کرے گا تمہارے خیال میں؟ تم تو اس کا ذہن بھی پڑھ سکتے ہو نا۔ آخر ہو تو تم بھی آدھے کاردار۔'' فارس نے سر کو تعریف وصولی کے انداز میں خم دیا۔

''تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔'' اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب فارس نے چہرہ اٹھایا، یوں جیسے کوئی آہٹ سننا چاہ رہا ہو۔

''آ گئے۔'' اس نے محظوظ انداز میں کہا۔ پھر سب کی منتظر صورتیں دیکھ کر بولا۔ ''کرائے کے غنڈے ہمارے گھر پہ فائرنگ کرنے آ گئے۔''

''تو پولیس کو کال کرو فارس.....'' وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ''وہ لوگ ہمارے گھر پہ حملہ کریں گے تو ہمیں حفاظت چاہیے ہوگی۔''

''حفاظت کا بندوبست آپ کا یہ بے کار، جیل یافتہ، دو لوگوں کا قاتل شوہر پہلے ہی کر چکا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس آپ جیسی تیز زبان ہے نہ ذہانت و فطانت....'' وہ بڑے ادب سے بتا رہا تھا۔ ''سو جب وہ لوگ آئیں گے، تو اس کالونی کی چار مختلف چھتوں پہ موجود لوگ اپنے تمام.... آہم.... ''اوزار'' اور ''ہتھیار'' لے کر نکل آئیں گے اور ان حملہ آوروں کو ''شوٹ'' کریں گے، جس کے بعد وہ ہمارے گھر پہ فائرنگ نہیں کر سکیں گے۔''
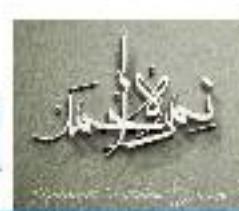
زمر تو زمر، ابا بھی دنگ رہ گئے۔ ”فارس‘ یہ تو خون خرابے والی بات ہوئی۔“

زمر تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ باہر کالونی کی سڑک پہ جیپیں رکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی کھلی چھتوں سے رائفلز اور جدید اسلحہ اٹھائے بیٹھے چند ہٹے کٹے افراد صاف دکھائی دیتے تھے۔ (گیٹ اور چار دیواری چھوٹی تھی سو یہ منظر صاف واضح تھا۔)

”ایسے مت کرو فارس... روکو ان لوگوں کو... یہ غلط ہے‘ کوئی مر گیا تو؟ کال کرو انہیں۔“ وہ بے چینی سے بولی۔ اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ درختوں سے پرندے ایک دم سے اڑے۔ کھڑکی میں کھڑی زمر کی رنگت پھیکی پڑی۔

”فارس‘ تم اپنے لوگوں کو منع کرو‘ کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ یہ لوگ ہوائی فائرنگ کر کے واپس چلے جائیں گے۔“

”اب دیر ہو چکی ہے‘ میں شوٹنگ کا آرڈر دے چکا ہوں۔ وہ لوگ اپنی پوزیشنز سنبھال چکے ہیں۔ اور آپ کھڑکی سے ہٹ آئیے‘ یہ نہ ہو کہ میں تیسری دفعہ جیل چلا جاؤں۔“ وہ قدم قدم چلتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

لاؤنج میں خوفزدہ سا سناٹا چھا گیا تھا۔ حنین اور سیم کی مسکراہٹیں غائب تھیں۔ ابا پریشان سے ہو گئے تھے۔ اور زمر کھڑکی سے نہیں ہٹ رہی تھی۔

”فارس ان پہ جوابی شوٹنگ مت کرواؤ۔ تم ان کو کال کیوں نہیں کرتے؟“ وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی تھی۔ نظریں سامنے والی چھتوں پہ جمی تھیں۔ اور یکا یک... قریبی دو چھتوں پہ چند لوگ نمودار ہوئے۔ زمر کا دل زور سے دھڑکا۔ (باقی دو چھتیں اس جگہ سے دکھائی نہ دیتی تھیں۔) انہوں نے بلند آواز میں کچھ کہتے ہوئے نیچے سے چند ”ہتھیار“ اٹھا کر اوپر کیے اور ان کا نشانہ جیپ والے گھس پیٹیوں کی طرف باندھا....

زمر دھک سے رہ گئی۔

ان کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں تھا۔

ان کے ہاتھوں میں جدید فوٹوگرافی کے آلات تھے۔ ویڈیو کیمرے‘ اسٹل کیمرے‘ مائیکس .....

”چچ چچ... کتنی کوئی کرمنل سوچ رکھتی ہیں آپ زمر بی بی۔ میں تو فوٹو شوٹ کی بات کر رہا تھا۔ آپ کیا سمجھیں؟“ وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ زمر کی شل نظریں وہیں پہ جمی تھیں۔ چھتوں پہ اکٹھے ہوئے رپورٹرز دھڑا دھڑ فوٹوگرافی کر رہے تھے‘ گویا لائیو کوریج کر رہے ہوں۔ ان کے انداز نے گلی میں رکے کھڑے‘ اسلحہ اٹھائے‘ دن کی روشنی میں بغیر کوئی نقاب پہنے کرایے کے غنڈوں کو بوکھلا دیا تھا۔ انہوں نے فائرنگ روک دی۔ چہرے گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ہڑبونگ سی مچی۔ کسی نے نیچے ہونے کو کہا۔ کسی نے اندر بیٹھنے کو۔ ٹائرز حرکت میں آئے۔ سڑک پہ رگڑنے کی تیز آواز کے ساتھ گاڑیاں زن سے واپس ہوئیں۔ چند لمحوں میں وہ غائب ہو چکی تھیں۔

”ایسی وارداتیں عموماً فراری مجرموں سے کرائی جاتی ہیں۔ فراری کسی سے نہیں ڈرتا‘ نہ پولیس سے نہ معصوم شہریوں سے۔ وہ صرف ”کسی“ کے ساتھ دیکھ لئے جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کے دشمن جان جائیں گے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ آج کل رہ رہا ہے‘ وہ صرف اسی
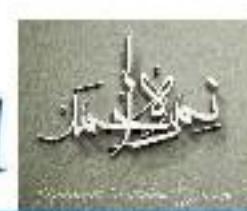
بات سے ڈرتا ہے۔ اور یہ چند نئے رپورٹرز جن کو اپنا کیریئر بنانے کے لئے ایک چٹ پٹی خبر کی تلاش تھی' یہ ہر وقت یہاں موجود نہیں ہوں گے' مگر کاردار زاب کسی کو یہاں بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لیں گے۔ ہمیں دوبارہ ''ڈرانے'' کا مطلب ہوگا قصے کو مزید مشہور کرنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اب لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ ابا قدرے پرسکون تھے' حنین اور سیم نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا اور زمر لب بھینچے سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ (دو نمبر آدمی۔ ہونہہ!)

''اب؟ اب کیا کرے گا وہ؟'' زمر فارس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے پوچھا۔

''شاید کچھ چھوٹے موٹے کام۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''جیسے ہمارے خلاف جھوٹے مقدمے کروانا' میڈیا میں ہمارے خلاف خبریں دینا۔ مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہ سب کرے گا۔ شاید وہ خاموشی سے انتظار کرنا مناسب سمجھے۔ وہ چاہے گا کہ ہم الزام لگانے میں پہل کریں' اور یہاں پہ میں سعدی اور اس کے انصاف والے آئیڈلزم سے متفق نہیں ہوں مگر ہمیں ہی الزام لگانے میں پہل کرنی ہوگی.....'' فارس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین ان کے سامنے کی۔ ''میں اتنی دیر سے اس ویڈیو کو مختلف جگہوں پہ بھیج رہا تھا۔ یہ ویڈیو سعدی نے دو روز پہلے بنا کر بھیجی تھی۔ ''میرا نام ہے سعدی یوسف''۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں اس کے ڈھائی ہزار ویوز آ چکے ہیں اور جلد یہ ٹی وی پہ ہوگی۔''

اسکرین پہ دور سے نظر نہیں آیا کہ وہ کون سی ویڈیو تھی اور فارس نے موبائل واپس موڑ لیا' مگر سب بے چین ہو گئے تھے۔ ''سعدی گھر کیوں نہیں آیا؟''

''ابھی تک دماغ درست نہیں ہوا اس کا۔'' وہ خفگی سے بڑبڑایا تھا۔

''تو اب تمہارا ڈیئر کزن کورٹ میں جانے کا انتظار کرے گا؟'' وہ اسی طنزیہ انداز میں بولی۔

''ہاں۔ اب وہ خاموشی سے ٹرائل کا انتظار کرے گا کیونکہ وہ اسے جیت کر نوشیرواں کو باعزت بری کروا لے گا۔ اگر کوئی ٹرائل ہوا بھی تو۔''

''کیوں؟'' سیم کو برا لگا۔ حنین بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری بیگم سے معذرت کے ساتھ' مگر اس لئے کہ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے۔'' اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر پیچھے ہو کر بیٹھا تو زمر پیر پٹخ کر مڑی (میں جو اتنے ماہ خوار ہوئی۔ اس کو بھی انصاف دلایا۔ مگر نہیں۔ اسی کو ہیرو بننا ہوتا ہے آخر میں۔) اور چند قدم دور گئی۔ پھر رکی۔ آنکھوں پہ چمک ابھری' لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ واپس مڑی۔

''تھینک یو فارس۔ تم نے ہر چیز اتنے اچھے سے پلان کی' ہر مسئلے کا حل نکال کر رکھا' تھینک یو۔'' اس کے بدلے انداز پہ فارس نے مشکوک انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''یور ویلکم!''

''اور تمہاری اس انتھک محنت کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے۔''

''کس چیز کے لئے؟'' وہ ہنوز مشکوک تھا۔

''سعدی کو مارنے کے لئے۔'' پھر باقی سب کو دیکھا۔ ''اوہ تم نے نہیں بتایا کسی کو کہ جب تم اس سے کینڈی میں ملے تو تم نے اس کو کتنی بری طرح سے مارا تھا' اور اس کے منہ پہ وہ زخم بھی تم نے ہی دیا تھا' مگر خیر' تم غصے میں تھے' معاف کیا۔''

(چڑیل نہ ہو تو) وہ خفگی سے اسے گھورتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ حنین' سیم اور ابا ایک دم اسے دیکھنے لگے تھے۔ بے یقین' تفتیشی نظروں سے۔

چلو جی۔ ساری کارکردگی پہ پانی پھر گیا۔

تب تک زمر مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ بھی جانے کو اٹھا۔

''ماموں!'' سیم نے صدمے اور غصے سے اسے دیکھا۔ حنین بھی آستین موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایک منٹ۔ ذرا ہماری بات سنیں پہلے۔''

''جھوٹ بول رہی ہے وہ۔ استغفر اللہ!'' وہ پیچ و تاب کھاتا (ان کی نظروں سے بچتا) بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا' اس سے پہلے کہ مور چال کی یہ چیونٹیاں اسے نوچ کھائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
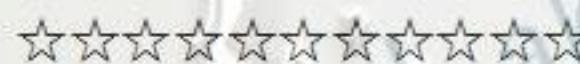
مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست

آہ مجھ سے تجھے وہ شکوہ بے جا بھی نہیں

اگلی صبح تک کوئی خاطر خواہ واقعہ پیش نہ آیا۔ کسی بڑے طوفان سے پہلے کا سکوت سارے میں چھایا رہا۔ ہاشم اور جواہرات ہارون کے ساتھ آفس میں بیٹھے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں موبائل بند کر کے سر منہ لپیٹے پڑا رہا۔ ہاشم نے اسے پیشکش کی کہ وہ ملک سے باہر چلا جائے مگر وہ راضی نہیں ہوا۔

''میرے دوست' میرا سوشل سرکل' وہ سب سمجھیں گے کہ میں نے یہ کیا ہے۔ کہ میں بھاگ گیا ہوں۔ نہیں' میں نہیں بھاگوں گا۔ مجھے کوئی ہتھکڑی نہیں لگا سکتا۔''

ندرت معمول کے مطابق ریسٹورانٹ میں تھیں۔ سیم اور حنہ بھی ادھر آ گئے تھے۔ باہر فارس کے پہریدار موجود تھے۔ سعدی کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ پھیل رہی تھی' مگر اتنی تیزی سے نہیں کہ میڈیا والے ان کے گھر آ پہنچیں۔ سو ابھی سکون تھا' سکوت تھا۔

فوڈلی ایور آفٹر میں گاہکوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ حنین کاؤنٹر سے دور' کونے کی میز سنبھالے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ میز پہ علیشا کا کی چین رکھا تھا اور ساتھ میں ٹوٹی ہوئی مور چال کی تختی۔ ایک نظر اس تختی پہ ڈال کر وہ اب اسکرین کو دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر خوبصورت تختیوں کو سرچ کیا۔ بہت سے امیج کھل گئے۔ تصاویر کی بہتات۔ حنہ ان کو دیکھے گئی۔ نت نئے ڈیزائن۔ رنگ۔ درمیان میں ایک قد آور آئینے کی تصویر بھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے یونہی اس پہ کلک کر دیا۔ تصویر کی جگہ اس آئینے کی ویب سائٹ کھل گئی۔

حنین یوسف نے سن رکھا تھا کہ سنو وائٹ کی کہانی میں ایک جادوئی آئینہ تھا جو ملکہ سے باتیں کرتا تھا' اس نے اس جامِ جم کے متعلق بھی سن رکھا تھا جو بادشاہ جمشید کو پوری دنیا دکھاتا تھا۔ مگر اسے نہیں علم تھا کہ گوگل پہ کھلنے والی ویب سائٹ اس کے لئے بھی ایک دوسری دنیا کا دروازہ

کھول دے گی۔۔۔

وہ ہوم ڈیکور کی ایک ویب سائٹ تھی اور جو صفحہ اس نے کھول رکھا تھا' اس میں بتایا جا رہا تھا کہ چھوٹے سے کمرے کو کیسے سجا کر خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔ کیسے دنیا بھر کے رنگ اور پھول اس میں بھرے جاتے ہیں۔ شہد کی وہ مکھی بے اختیار آگے ہوئی اور آنکھوں میں خوشگوار تحیر بھرے ان رنگوں کو دیکھے گئی جو ایک گھر کو سلیقہ اور سجاوٹ عطا کرتے دکھائی دے رہے تھے....

''واؤ'' ہر دوسری تصویر پہ اس کے لبوں سے نکل رہا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ اس نے اچھے گھر نہ دیکھے تھے۔ کورین اور ترکش ڈراموں کے گھر وہ دیکھتی آئی تھی۔ مگر اس نظر سے نہیں دیکھے تھے۔

کیش کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا فارس' جنید سے کچھ پیپرز لے کر دیکھ رہا تھا۔ اکاؤنٹس وغیرہ کا حساب۔ (ندرت مارکیٹ گئی تھیں گھر کی ماہانہ گروسری لینے) اور ریسٹورانٹ کے ملازمین یہ فرض کر چکے تھے کہ آئندہ ان کا نیا باس وہی ہو گا۔ شاید وہ خود بھی یہ طے کر چکا تھا۔

دفعتاً ریسٹورانٹ کا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ فارس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس طرف چلی آ رہی تھی۔ سفید لمبا کوٹ پہنے' اور بال سرخ اسکارف میں لپیٹے' ماتھے سے چند سرخ لٹیں نکالے' کہنی پہ ڈیزائنر بیگ اٹکائے وہ ایک میز کی کرسی کھینچ کر بیٹھی اور بلی جیسی آنکھیں دوبارہ جھپکا کر اسے دیکھا۔ فارس نے بے اختیار دور بیٹھی حنہ کو دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ میں گم تھی۔ پھر وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ ساتھ میں بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

''ناراض ہوں!'' وہ بچوں کے سے خفا انداز میں بولی۔ فارس نے گہری سانس بھری۔ ''تو یہاں کیوں آئی ہیں؟''

''آپ نے کہا تھا میرے بابا کا نام نہیں آئے گا اس کیس میں۔ پھر سعدی یوسف ان کا نام کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے کہا تھا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم یہ کیس نہیں جیت سکتے سو کسی کا بھی نام آ جائے' فرق نہیں پڑتا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ وہ چند لمحے چپ رہی۔

''آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر کیوں آئے؟ مجھے کہہ دیتے' کیا میں رکاوٹ ڈالتی؟ خاموشی سے چلی جاتی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ سرمئی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ ''کم از کم مجھے یہ تاثر تو نہ ملتا کہ جیسے میں آپ پہ مسلط تھی۔ میں تو صرف آپ کی مدد کر رہی تھی۔ یا شاید استعمال ہو رہی تھی۔''

''آئی ایم سوری!'' اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔ ''میں....خیر....آپ ٹھیک ہیں؟'' اب کے نرمی سے پوچھا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھوں میں ہنوز اداسی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے' کبھی میں ایک فون کال کر کے آپ کو بلاؤں اور آپ چلے آئیں۔''

''مس آبدار' میں ایک اپنی مرضی کا مالک' چھتیس سال اور چھ فٹ ایک انچ کا مرد ہوں۔ میں اس طرح بلانے پہ نہیں آیا کرتا۔'' سنجیدگی

سے ٹھہر ٹھہر کر اسے کچھ سمجھایا۔ وہ پھر مسکرائی۔ آنکھیں نم ہوئیں۔

''مجھے چیلنج نہ کریں کیونکہ میں ایسا بہت کچھ کر سکتی ہوں جس کے بعد آپ دوڑے چلے آئیں گے۔ خیر!'' اس کے جواب سے پہلے سر جھٹکا۔ ''مجھے مدد چاہیے آپ کی۔''

وہ جو نا گواری سے کچھ کہنے لگا تھا' رک گیا۔

''ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' اور وہ ناں نہیں سننا چاہتا۔ اس کا انداز سنگین تھا۔''

''تو...آپ شادی کرنا چاہتی ہیں اس سے؟'' وہ چونکا تھا مگر پھر عام سے انداز میں پوچھا۔

''وہ اچھا ہے' میرا دوست ہے' مگر.....'' اس کی سنہری آنکھوں پہ آنکھیں جمائے وہ نرمی سے بولی۔ ''مجھے کسی اور سے محبت ہے۔''

فارس نے بہت دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور...اس کسی اور کو آپ نے بتایا کہ آپ اس سے.....!''

''وہ جانتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ.....جانتا.....ہے!'' وہ اب کے چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ فارس نے بدقت چہرے پہ چھایا نارمل تاثر برقرار رکھا۔ (ہاں ابھی اس ''کسی اور'' کی بیوی ادھر ہوتی تو تمہیں بتاتی۔)

''تو آپ کیا کریں گی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''آپ بتائیں میں کیا کروں؟ ہاشم کو بتا دوں اس کسی اور کے بارے میں؟ کیا یوں وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا؟''

''آبدار!'' وہ ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں دھیما سا بولا۔ ''ہاشم میرا کزن ہے' میں اسے بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ اپنے اور اس کے درمیان کسی تیسرے کو مت لائیں۔ اسے مت اکسائیں۔ اس کو اس کی وجہ سے ریجیکٹ کریں' اپنی وجہ سے نہیں۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تو؟''

''ظاہر ہے وہ نہیں مانے گا۔ تو آپ کسی ایسے شخص سے اس پر دباؤ ڈلوائیں جو اس پہ رعب رکھتا ہو۔ اور میرا خیال ہے آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ اس تیسرے شخص کے ان احکامات سے بھی واقف ہیں جن سے ہاشم نہیں ہے۔''

''اوہ!'' آبدار کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''میں سمجھ گئی۔ خیر...'' ادھر ادھر دیکھا۔ ''کچھ کھلائیں پلائیں گے نہیں کیا؟''

''نہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کوئی بھی تعلق آپ کو بھی نقصان دے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب کی دفعہ میں بلاؤں تو آیئے گا ضرور ورنہ میں نے کہا نا' مجھے بلانے کے سارے طریقے آتے ہیں۔'' آبدار مسکرا کر کہتی اٹھی۔ بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ناخوش سا کھڑا کچھ سوچتا رہ گیا۔

چند فرلانگ دور ایک کیش اینڈ کیری اسٹور کے اندر دن کے وقت بھی تیز سفید بتیاں روشن تھیں۔ ندرت یوسف ٹرالی لئے اشیاء خور دونوش کے ریکس کے ساتھ چلتی جا رہی تھیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے۔ فاصلے سے۔ احتیاط سے۔

ریکس کی لمبی قطار کے آخر میں.....وہ اوٹ سے نکل کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ سر پہ کیپ' گلاسز' اور بڑھی ہوئی شیو نے سعدی کا چہرہ قدرے

مختلف بنا رکھا تھا۔اس کی زخمی نظریں ندرت کے تعاقب میں تھیں۔وہ اس سے چند قدم ہی دور تھیں۔اس طرف ان کی پشت تھی۔فربہی مائل عام سے گرم سوٹ میں ملبوس تھیں شال سر پہ لے رکھی تھی۔سوئیٹر حسب عادت بنا آستین والا تھا۔وہ کبھی آستینوں والا سوئیٹر نہیں پہنتی تھیں۔ ایک ہاتھ میں جہیز کے دو کنگن تھے۔جو ہر موسم میں ہر وقت پہنے رکھتی تھیں۔کنپٹیوں اور ماتھے سے ذرا سفید بال جھلک رہے تھے۔آنکھوں کے حلقے بڑھ گئے تھے۔بار بار رکتیں۔کچھ یاد کرتیں۔پھر کوئی شے اٹھاتیں۔شاید اب وہ چیزیں بھولنے لگی تھیں۔شاید ذہنی طور پہ بہت الجھی رہنے لگی تھیں۔

وہ اوٹ سے ان کو دیکھے گیا۔چھپ کر۔نم آنکھوں سے۔وہ اب ایک ریک کے سامنے کھڑیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ یاد کر رہی تھیں۔

''کیا رہ گیا؟ اب گھر پہنچ کر یاد آئے گا۔'' وہ خود سے خفا تھیں۔وہ اوٹ سے نکلا اور قدم قدم چلتا ان کے قریب آیا۔وہ پشت کیے کھڑی تھیں۔وہ ٹرالی کے سرے پہ آ کھڑا ہوا۔ایک نظر سامان پہ ڈالی۔پھر سامنے والے ریک سے مایونیز کا بڑا جار اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا اور آگے بڑھ گیا۔ندرت نے کسی کو جار رکھتے دیکھا تھا۔سو فوراً گھومیں۔جار اٹھا کر دیکھا۔ہاں' یہی تو بھول گئی تھیں۔سر اٹھایا۔متلاشی نگاہ دوڑائی۔کوئی نہیں تھا آس پاس سوائے گاہکوں اور ورکرز کے۔کچھ دیر حیران ہوئیں۔مگر شاید کسی ورکر سے مانگا تھا انہوں نے تبھی اس نے لا دیا ہو گا۔خیر' ٹرالی دھکیلتی آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
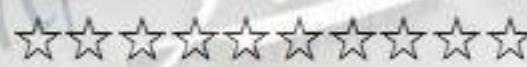
جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی رہو اس پر ظفر

آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہیے

جواہرات اپنے لان میں آرام دہ کرسی پہ نیم دراز دھوپ سینکتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' نخوت اور ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔مسز عباد۔ان لوگوں کا ہمارے ساتھ جائیداد کا تنازعہ ہے' چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتیں' ہونہہ۔ورنہ میرا شیرو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے۔پرندے کا بچہ نہیں مار سکتا وہ۔'' رک کر کچھ سنا۔ناگواری سے چہرہ سیاہ ہو گیا۔''شوٹنگ کلب کا ممبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی نے سعدی کو شوٹ کیا تھا۔یہ تو اس کا ٹیلنٹ ہے' آرٹ ہے۔'' دو چار باتیں مزید کہہ کر سنا کر اس نے جھنجھلا کر فون بند کیا اور ساتھ رکھی میز پہ ڈال دیا۔ناک چڑھائے کوفت سے سر جھٹکا۔

''یہ ذرا ذرا سے لوگ.....''

''آنٹی!'' دور سے چہکار سی سنائی دی تو جواہرات نے لمبی کرسی پہ نیم دراز گردن موڑی۔سبزہ زار کے دوسرے دہانے سے آبدار چلی آ رہی تھی۔سورج مکھی کے رنگ کا لمبا فراک پہنے' بال سرخ رومال میں باندھے' کہنی پہ اٹکی باسکٹ میں ڈھیروں پھول لئے وہ اس وقت واقعتاً ریڈ رائیڈنگ ہڈ لگ رہی تھی۔جواہرات کے چہرے کے زاویے سیدھے ہوئے' مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔

''کیسی ہیں آپ آنٹی؟ یہ پھول میں آپ کے لئے لائی ہوں' اپنے باغیچے سے توڑ کر۔'' دوسری لمبی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے باسکٹ

درمیانی میز پہ رکھی۔ سفید گلابی چہرہ سرما کی دھوپ کی تمازت سے دہک رہا تھا مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

''میں ٹھیک ہوں ہنی۔ تم نے اتنے عرصے بعد شکل دکھائی۔'' یونہی نیم دراز اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ دباتی پیار سے بولی۔ گہری آنکھیں اس کے شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔

''بس آنٹی۔ مجھے تو اس فصیح کی فکر ہے۔'' وہ توبہ توبہ والے انداز میں کانوں کو چھو کر بولی۔ ''سنا ہے وہ ابھی تک سری لنکا میں غائب ہے، پولیس اس کو تلاش کر رہی ہے لیکن آنٹی میں تو سوچتی ہوں کہ وہ نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ ورنہ ہاشم تو اس کو دیکھتے ساتھ ہی گولی مار دے گا۔''

''کیوں؟'' جواہرات چونکی۔

''یہ دیکھیں۔ اس فصیح نے بھی کیسی غداری کی ہاشم کے ساتھ۔'' اس نے بڑے سے نوٹ کی اسکرین پہ چند بٹن دبا کر اسے جواہرات کے سامنے کیا۔ اسکرین پہ چلتے منظر کو دیکھ کر آرام دہ کرسی پہ نیم دراز جواہرات کی رنگت فق ہو گئی۔

وہ آفس چیئر پہ بیٹھی تحکم سے فصیح کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ سعدی اور خاور کے قتل کی۔ جواہرات نے چونک کر آبی کو دیکھا۔ وہ اسی سادہ انداز میں بولے جا رہی تھی۔

''کیسا ہولناک کام کیا فصیح نے۔ ہاشم کی پیٹھ پیچھے اس کے مہمانوں کو مارنے کا سوچا۔ ہاشم کے پلانز تھے اپنے مہمانوں کے بارے میں۔ فصیح نے ان کو خراب کر دیا۔ تبھی تو وہ دونوں بھاگ نکلے اور یہ اسکینڈل شروع ہوا۔ جب ہاشم کو معلوم ہوگا کہ فصیح اس کا ذمہ دار ہے تو وہ تو فصیح کی جان لے لے گا۔ اس سے سارے رشتے ناتے توڑ دے گا۔'' جواہرات پہ نظریں جمائے وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ ''اس پہ کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ ہاشم کو فصیح کے اس عمل سے کتنا دکھ پہنچے گا۔ آپ سمجھ سکتی ہیں نا۔ مجھے تو فصیح کی بہت فکر ہے۔ اس لئے پلیز آپ یہ سب ہاشم کو نہیں بتائیے گا ورنہ وہ تو فصیح سے اپنا رشتہ ہی ختم کر دے گا۔'' فصیح نامہ سنا کر وہ نوٹ واپس پرس میں ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور ہاں آنٹی.... ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے، لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہتیں۔ اور آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنی کیوٹ ہوں، آپ کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار رہتی ہوں۔ اب ہاشم کو اس ارادے سے صرف آپ ہی باز رکھ سکتی ہیں۔ تو سمجھا دیجئے گا اسے۔ ہوں؟ اوکے میں چلتی ہوں۔ آج مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' جھک کر جواہرات کے گال سے گال مس کر کے چوما، مسکرا کر سیدھی ہوئی اور ہاتھ ہلاتی واپس جانے کو مڑ گئی۔

جواہرات اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی۔ یونہی نیم دراز پڑی رہی۔ اس کا چہرہ فق تھا اور اعصاب شل۔ پھر دھیرے سے ان آنکھوں میں سرخی اتری۔ ایک دم زور سے ہاتھ مار کر اس نے باسکٹ الٹ دی۔ سارے پھول سبزہ زار پہ بکھرتے چلے گئے۔

وہ زرد گلاب تھے۔ دشمنی کی علامت۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو کہتے ہیں اس آندھی میں پر نہ تولا جائے گا

جو اس بات پر خوش ہیں ہم سے لب نہ کھولا جائے گا

تھانے کے اس وسیع وعریض ہال نما آفس میں ہیٹر چل رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور قلم ہاتھ میں گھماتا سنجیدگی مگر قدرے بے نیازی سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اتنے ہی سکون سے پیچھے ہو کر بیٹھی تھی اور تند نگاہیں ایس ایچ او پہ جمی تھیں۔

''سیکشن 161 سی آر پی سی CrPC کے تحت آپ ہماری اس پرانی ایف آئی آر میں میرا بیان ریکارڈ کریں تاکہ میں ملزموں کو نامزد کر سکوں۔''

''زمر صاحبہ میں آپ کو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ.....'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا۔ ''میں یوں بنا کسی ثبوت کے کاردار خاندان کے کسی فرد کا نام ایف آئی آر میں نہیں ڈال سکتا۔''

''میں آپ کو ثبوت تو کیا ایک وضاحت دینے کی پابند بھی نہیں ہوں کیونکہ 161CrPC کے تحت یہ میرا حق ہے۔'' وہ بھی اتنی ہی رکھائی سے بولی۔

''آپ تحمل سے میری بات سنیں۔'' ایس ایچ او کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ ایک دم سے آفس میں بہت سے لوگ داخل ہوئے تھے۔ ایس ایچ او کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔

وہ سر پہ چادر لئے، قیمتی ہیرے کی انگوٹھیاں پہنے، ڈیزائنر بیگ اٹھائے باوقار سی خاتون جانی پہچانی تھی۔ چترال سے تعلق رکھنے والی سیاستدان جس کا سکینڈل پچھلے دنوں جواہرات کاردار نے مشہور کروایا تھا۔ اور وہ اکیلی نہیں آئی تھی۔ وکلاء اور گارڈز ہمراہ تھے۔ اس کے لئے فوراً سے کرسیاں بچھائی گئیں۔ عملے کی دوڑیں لگ گئیں۔ کوئی چائے لانے بھاگا، کوئی بیکری کی طرف۔

''کیا آپ ان کا بیان ریکارڈ نہیں کر رہے؟'' زمر کے قریب کرسی پہ بیٹھ کر وہ انگلی گال پہ رکھے نرم مسکراتے انداز میں پوچھنے لگی۔ ایس ایچ او نے سوالیہ نظروں سے زمر کو دیکھا۔

''یہ میرے کرایے دار ہیں۔'' خاتون نے تعلق بتایا۔ زمر خاموشی سے بیٹھی انگلی پہ لٹ لپیٹتی رہی۔ ''اور میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کی ایف آئی آر میں نامزد ملزم کا نام درج کریں۔ کیا نام تھا اس کا؟ ہاں نوشیرواں کاردار! صرف یہی نام یا کوئی اور بھی لکھوانا ہے؟'' اپنائیت بھرے انداز میں چہرہ زمر کی طرف موڑ کر پوچھا۔ زمر مسکرائی، اور مسکراتے مسکراتے خاتون کی طرف جھکی۔ ''تھینکس!'' اس سے پہلے کہ وہ ویلکم کہتی زمر کی مسکراہٹ سمٹی۔ ''مگر نو تھینکس! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ایف آئی آر ہے، میں اسے خود ہی دیکھ لوں گی۔'' تلخی سے فقرہ مکمل کیا۔ ایس ایچ او خاموشی سے تماشا دیکھنے لگا۔

''خاتون ذرا سا مسکرائی۔ ''مگر کیوں؟''

''کیونکہ آپ جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگا بھی کرتے ہیں۔سب سے پہلے آپ مجھے اپنے وکلاء کو کیس میں شامل کرنے کو کہیں گی۔کل کو یہ وکلاء آپ کی مرضی کی سمت میں کیس کو لے جائیں گے' بھاری رقم اور پبلک میں آ کر معافی مانگنے کی شرط پہ ان کو معاف بھی کر دیں گے کیونکہ آپ ان کی ہزیمت چاہتی ہیں۔لیکن میں آپ کو یہ کیس استعمال کرنے نہیں دوں گی۔یہ ہمارا کیس ہے' ہم اکیلے اس مقام تک پہنچے ہیں صاحبزادی صاحبہ' ہم اکیلے ہی لڑ لیں گے۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔صاحبزادی صاحبہ نے مسکرا کر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تو آپ ان ایس ایچ او صاحب کو راضی کیسے کریں گی نئے ملزم کا نام ڈالنے کے لئے؟''

''میں کیا کروں گی!'' اس نے گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مسکرا کر ایس ایچ او کو دیکھا۔''میں یہاں صرف فارمیلٹی کے تحت آئی تھی' اور اب میں سیدھی پولیس کی ہائی کمان کے پاس جاؤں گی' آئی جی صاحب کی بیٹی میری بھتیجی کی دوست ہے' میں ان سے شکایت کروں گی۔ڈی آئی جی صاحب کے میں نے کورٹ میں چند کام کر رکھے ہیں' ایک کال میں ان کو بھی کروں گی۔پھر میں اپنے پرانے ٹیچر ایک سیشن جج کے سامنے سیکشن 22 سی آر پی سی کے تحت پٹیشن فائل کروں گی' یا صرف اپنی ایک بہت اچھی دوست مجسٹریٹ کے پاس پرائیوٹ کمپلینٹ فائل کر دوں گی۔اڑتالیس گھنٹے کے اندر نوشیرواں کاردار کا نام FIR میں درج ہو گا۔میرے پاس کام کروانے کے بہت طریقے ہیں۔مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔آپ آئیں' آپ کا شکریہ۔میں چلتی ہوں۔'' اپنے مدعے کو اپنے مخصوص انداز میں ''زمرائز'' کر کے وہ پرس اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مڑتے مڑتے سر ''ہونہہ'' کے انداز میں جھٹکا بھی تھا۔

(سمجھتے کیا ہیں یہ مجھے۔اتنے سال کورٹ میں جھک ماری ہے کیا میں نے؟)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
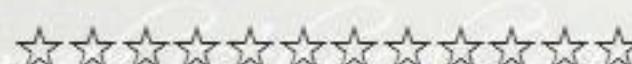
کیوں لپٹتا ہے میرے ساتھ یہ دریا آخر؟
مجھ کو گرداب سے آگے بھی کہیں جانا ہے

اگلی دوپہر قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی طویل میز پہ کھانا کھانے ہاشم اکیلا بیٹھا تھا۔چند مہمانوں کی متوقع آمد کے باعث وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا۔نوشیرواں کو بلا بھیجا مگر میری نے واپس آ کر مایوسی سے ''وہ کہہ رہے ہیں ان کو بھوک نہیں'' کہا تو ہاشم سر جھٹک کر کھانے لگا۔یہ تب ہی تھا جب بیرونی دروازے سے سینڈل کی مخصوص ٹک ٹک سنائی دی۔چہرہ اٹھائے بغیر بھی ہاشم جانتا تھا کہ نوار دکون ہے۔اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو ہاشم!'' شہری مسکراتی ہوئی چلتی آ رہی تھی۔ہاشم نے تلخ تاثرات والا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تمہیں میرے گھر آنے جانے کے اوقات کی خبر کون دیتا ہے؟''

ڈائننگ ٹیبل کے قریب ہاتھ باندھے مؤدب سی کھڑی فیونا نے فوراً گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

''مجھے تو تمہاری دوسری بھی کئی مصروفیات کی خبر ہے۔'' وہ طنزیہ سا کہتی اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔سنہری بالوں کی اونچی پونی بنائے'
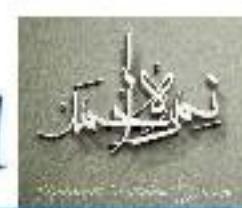
چھپکلی کے ڈیزائن والے لمبے آویزے پہنے، وہ حسبِ معمول خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''سنا ہے تم شادی کر رہے ہو۔ سونی کو منا بھی لیا۔ واہ۔'' آنکھیں اس پہ جما کر طنزیہ بولی۔ ہاشم نے ابرو کے اشارے سے ملازموں کو جانے کا کہا اور اکتا کر کھانا ختم کرنے لگا۔ ''ویسے تم ہمیشہ ہی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ہونہہ۔ اور شادی ٹوٹنے کا الزام میرے سر لگاتے رہے اتنے سال۔''

''تم کیوں آئی ہو؟''

''میرا نام ہے سعدی یوسف دیکھنے کے بعد میں گھر کیسے بیٹھ سکتی تھی؟ ویسے اب تک تو تم پہ واضح ہو چکا ہو گا کہ میں نے نہیں، فارس نے وہ ویڈیو ریلیز کی تھی جج والی۔ مجھے تو سعدی نے یونہی درمیان میں پھنسایا تمہارا دھیان بٹانے کے لئے۔''

''سب جانتا ہوں۔ اور کچھ؟''

''اور یہ کہ اگر یوسفز واقعی تمہارے خلاف کیس کرنے جا رہے ہیں تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ جب مجھے subpeona کیا جائے گا تو میں عدالت میں کیا کہوں گی؟ آخر میرے سامنے بھی اعتراف کیا تھا نا شیرو نے سعدی کو گولیاں مارنے کا!''

وہ اسی وقت زینے اترتا نیچے آیا تھا۔ کھلے دروازے کے باعث شہری کی آواز کان میں پڑ گئی۔ پہلے ہی ابتر حلیے میں تھا، ملگجی ٹی شرٹ اور شارٹس، ان الفاظ پہ تو چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ تیزی سے سامنے آیا۔

''تم اس قابل نہیں تھی کہ تمہیں کوئی پسند کرتا، یا تم سے کوئی دوستی کرتا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اسے شوٹ کیا تھا، اور اگر تم نے.....''

''شیرو!'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا اور وہ باوجود غصے کے چپ ہو گیا۔ شہرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک تند و تیز نظر شیرو پہ ڈالی۔

''میں کس قابل ہوں تمہیں کورٹ میں معلوم ہو گا کیونکہ ڈیڈی نے مجھے دس منٹ پہلے بتایا ہے کہ کورٹ آرڈر کے ذریعے زمر نے ایف آئی آر میں تمہیں اور ہاشم کو نامزد کر دیا ہے۔''

''تھینک یو شہرین، تم جا سکتی ہو۔'' ہاشم نے سختی سے کہا تو وہ پرس اٹھا کر مڑی اور آگے بڑھ گئی۔ شیرو نہیں بیٹھا، شل سا کھڑا رہا۔ پھر بے یقین نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''میرا نام.....؟''

''اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی ٹرائل نہیں ہو گا، نہ انہیں کوئی تاریخ ملے گی نہ کوئی تمہیں گرفتار کرے گا۔ کھانا کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ.....'' اور اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی شیرو پیر پٹختا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہاشم نے نیپکین زور سے پرے مارا اور پلیٹ دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لاؤنج تک آیا ہی تھا کہ بیسمنٹ کی سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر باہر آتی علیشا دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرالی بیگ کا ہینڈل تھا جسے وہ ساتھ ہی گھسیٹ رہی تھی۔ ہاشم اسے دیکھ کر رکا۔

''کیا تم واپس جا رہی ہو؟'' علیشا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور چبھتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''جی.... میں کبھی نہ آنے کے لئے واپس جا رہی ہوں۔'' چبا چبا کر وہ کہنے لگی۔ ''میں نے بہت کوشش کی آپ لوگوں سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کی' آپ کو ذلیل کرنے کی' اپنا جائز پیسا آپ کی مٹھیوں سے نوچ لینے کی' مگر میں ہر دفعہ ناکام ہوئی۔ کیونکہ میں اکیلی تھی۔ اور کیونکہ میرے اندر فارس جتنی ہمت نہیں تھی۔ نہ میں سعدی کی طرح بہادر ہوں۔ میرا مقصد صرف پیسے کا حصول تھا۔ اور وہ مجھے نوشیرواں نے شیئرز واپس لیتے ہوئے کافی کثرت سے دے دیا ہے۔ اور نہیں' ابھی میں ائیر پورٹ نہیں جا رہی۔ میں ہوٹل جا رہی ہوں۔ مجھے ایک دو دن مزید شہر میں رک کر ایک آخری کام کرنا ہے۔ پریشان مت ہوں' آپ کو تباہ کرنے کا کوئی کام نہیں۔ یہ سب یوسفز کر لیں گے۔ میں تو ہوں پیسے کے پیچھے۔ تو ایک آخری چیز ڈھونڈ لاؤں آپ کے پاس' پھر اس کی قیمت آپ خود لگائیں گے۔'' ایک سانس میں کہہ کر وہ ایک زخمی نگاہ اس پہ ڈالتی آگے بڑھ گئی۔ ہاشم اسے گھور کر جاتے دیکھتا رہا۔

ایک ویڈیو کیا ریلیز ہوئی' ہر ایک کی اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ وہ یوں چڑھ کر اس سے بات کرے! ہونہہ۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

وہ دن بھی خاموشی سے ڈھل گیا۔ شام اتری اور پھر رات چھا گئی۔ ندرت ریسٹورانٹ بند کر کے گھر آ گئی تھیں۔ سب اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ فارس ابھی گھر نہیں آیا تھا سو گیٹ کھلا تھا۔ باہر دونوں گارڈز کو اس نے کسی بھی گھس پیٹھیے کو پوائنٹ بلینک پہ شوٹ.... گن والا شوٹ.... کر دینے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ سوائے کسی ایسے لڑکے کے جو خاموشی سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہو اور کسی تار کی مدد سے پورچ سے اندر کھلتا دروازہ کھولنے کی کوشش کرے۔ ایسے لڑکے کے بارے میں اس نے ریسٹورانٹ اور گھر دونوں جگہوں کے پہرے داروں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ اس کو یوں نظر انداز کریں جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔

ندرت وضو کر کے کمرے میں آئیں کہ نماز پڑھیں' پھر خیال آیا کہ کچن کا چکر لگا لیں۔ گیلے آستین بازوؤں پہ برابر کرتیں' وہ باہر آئیں۔ کچن کے اندر آ کر لائٹ جلائی۔ سلیب پہ رکھی خالی بوتلوں کو دیکھ کر وہ غصہ چڑھا کہ الاماں۔

''یہ حنین بیگم اور اسامہ خان' مجال ہے جو کبھی خود سے بوتلیں بھر کر رکھ دیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ فلٹر سے بوتلیں بھر کر سلیب پہ رکھ دیا کرو۔ آگے فریج میں رکھنے کا موسم آئے گا تب کیا کریں گے یہ؟ بے غیرت اولاد۔'' کچن کی بوتلیں وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں آئیں۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر چلتی ندرت نے لاؤنج اور ڈائننگ ٹیبل میں ادھر ادھر لڑھکی خالی بوتلیں اکٹھی کیں اور انہیں کچن میں لائیں۔

ایک دم وہ ٹھٹک کر رکیں۔ سامنے سلیب پہ چاروں بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ پانی کے قطرے تک ٹپک رہے تھے۔ ندرت نے منہ میں انگلی دبائی۔ (شاید حنہ یا سیم میں سے کوئی.....) مگر چند قدم آگے آئیں تو مزید ٹھٹکیں۔ سیم اور حنہ ہمیشہ بوتلوں کو ان کے ڈھکن تک بھر دیتے تھے' وہ کہہ کہہ کر تھک گئیں کہ بوتل کو پورا نہیں بھرے' دو گھونٹ جگہ چھوڑتے ہیں تا کہ ڈھکن کھولو تو منہ پہ پانی نہ چھلک پڑے' مگر ان پہ اثر نہ ہوتا۔ لیکن ابھی جو بوتلیں بھری رکھی تھیں' ان میں دو دو گھونٹ جتنی جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ ایسے جیسے ندرت بھرتی تھیں۔ ایسے جیسے سعدی بھرتا تھا۔ مگر.....انہوں نے سر جھٹکا۔ شاید زمر نے بھری ہوں۔ وہ دوسری بوتلوں کو بھر کر باہر نکل گئیں' اور کوئی خاموشی سے پینٹری کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔

زمر کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جلی تھی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے' اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی لیپ ٹاپ پہ اپنا فیس بک گروپ کھولے ہوئے تھی۔ سعدی کی آئی ڈی کے سرخ زخمی گلاب پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی تھی۔ وہ گھر کیوں نہیں آیا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ پھر سر جھٹکا اور آن لائن تفسیر کھولی۔ پہلے چند آیات کو پڑھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

گہری سانس لے کر اس نے کی بورڈ پہ انگلیاں رکھیں۔ وہ سعدی کے لئے لکھ رہی تھی یا اپنے لئے' کیا فرق پڑتا تھا؟

النمل کی آیات میں فرمایا جا رہا تھا۔

''یا کون ہے

جو جواب دیتا ہے لاچار کو

جب وہ اس کو پکارتا ہے

اور دور کرتا ہے اس کی تکلیف

اور وہ بناتا ہے تم کو زمین کا جانشین۔

کیا کوئی اللہ کے سوا ہے معبود؟

کتنی کم تم نصیحت پکڑتے ہو؟''

یہ آیت دل کو ایک دم پگھلا دیتی تھی۔ کی بورڈ پہ رکھی انگلیاں لرزیں۔

''پہاڑوں' نہروں' سمندروں اور زمین کی مثال دینے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ ''انسان'' کی بات کرتے ہیں۔ ''انسان'' جو قرآنِ کریم کا موضوع ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انسان کو چٹان سا مضبوط' سمندر سا گہرا' اور زمین کی طرح پرسکون رہنا چاہیے' نہروں کی طرح ہر وقت بہہ نہ جائے' بلکہ سمندر کے کھارے اور میٹھے پانی کے حجاب کی طرح اپنے جذبات کو ابلنے سے روکے رکھے۔ مگر قرآن ان مضبوط

چیزوں کی مثال دے کر ان سے زیادہ مضبوط مخلوق کی طرف آتا ہے لیکن اس کی سخت لاچاری والی حالت دکھاتے ہوئے۔ انسان کے ساتھ پہلے اتنی مضبوط چیزوں کی مثال دی' پھر انسان کو اتنا کمزور کیوں دکھایا اس آیت میں؟'' اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے' لب کاٹتے ہوئے سوچا' پھر سر کو خم دیا۔

''مگر نہیں' کس نے کہا کہ مضطرب انسان ''کمزور'' ہوتا ہے۔ نہ انسان پہاڑ جیسا نہ سمندر جیسا نہ زمین جیسا ہو سکتا ہے ہر وقت۔ ہم پہ مختلف فیز آتے ہیں۔ اور جو سخت کمزور ترین لمحے میں ....لاچاری اور اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کرتا ہے' اس کی مثال ان مضبوط چیزوں کے آگے دی جا رہی ہے' کیونکہ دعا کرنے والا ان سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بھلے سجدے میں گرا ہو' رو رہا ہو' درد سے بلک رہا ہو' وہی اصل بہادر ہے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ چاہے لوگ کچھ بھی کہیں' چاہے سائنس کچھ بھی کہے' اس کی امید جوان ہوتی ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ وہی اس کے دل کو سکون دے گا' وہی اس کی آزمائش کو کھولے گا۔ آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صبر اور نیک عمل کافی نہیں۔ دعا سب سے بڑا Catalyst ہے۔ دعا کے بغیر کیا ملتا ہے؟ اور مل جائے تو رہتا ہے کیا؟ دعا اللہ سے بات کرنا ہے' اور اسی بات نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اپنا بچہ دریا میں ڈال بھی دیں تو اللہ ایک دن اسے ضرور ان کے پاس پھیر لائے گا۔ اور پہلے موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا' مگر اللہ نے ان کو جمائے رکھا' کیونکہ اللہ سے تعلق نہیں توڑا تھا انہوں نے۔ اللہ سے بات کرنا نہیں چھوڑا۔ میری طرح نہیں کہ مصیبتوں پہ دل اتنا اچاٹ کر دیا کہ دعا مانگنی چھوڑ دی۔'' ایک زخمی سا تاثر اس کے چہرے پہ ابھرا۔ وہ چہرہ جھکائے' ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔

''دعا مانگنا بھی کوئی چھوڑتا ہے کیا؟ ایسے کوئی اللہ سے بات کرنا بھولتا ہے کیا؟ یہ اپنے گلٹ اور شکوؤں کی اونچی دیوار کیوں بنا لیتے ہیں ہم لوگ؟ ایسے کوئی کرتا ہے کیا؟ اور جو کرتا ہے وہ بھی تب تک سکون نہیں پائے گا جب تک واپس نہیں آئے گا۔ کچھ تو کاش اللہ سے بھی سیکھا ہوتا ہم نے۔ جانے والوں کو وہ روکتا نہیں ہے لیکن اگر وہ لوٹ کر آ جائیں تو ان کے لئے سارے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچتے ہم کہ یہ جو ہم روز بروز اپنی دنیا میں' شادی' بچوں' شوہر' کاروبار میں مصروف ہوتے جا رہے ہیں' کوئی جو ہم سے زیادہ بڑا نظام سنبھالے ہوئے ہے' وہ ہمارے پلٹنے کا انتظار کرتا ہوگا۔ بے نیاز ہے وہ' فرق اسے نہیں پڑتا' مگر وہ ہمارے لئے ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم بھی اپنے لئے ہی اس سے محبت کرتے ہیں ویسے۔ اور اگر ہم.... کبھی بھولے بھٹکے سے لوٹ آئیں تو ہم ایک کام کرتے ہیں ''دعا'' اس کو پکارنا....اور وہ تین کام کرتا ہے....اس آیت کے بقول وہ تین کام کرتا ہے....دعا کا جواب دیتا ہے....تکلیف کو دور کرتا ہے اور ہمیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ ہم کمزوروں کو اگر کوئی چیز اتھارٹی' انصاف اور طاقت دلا سکتی ہے' کنٹرول عطا کر سکتی ہے تو وہ صرف دعا ہے۔ لاچار کی لاچاری ہٹے گی' تکلیف دور ہو گی' تب ملے گی اس کو خلافت۔ کونے میں پڑے ڈپریسڈ لوگوں کو نہیں ملتا کنٹرول۔ ہمیں سستی اور غفلت سے خود نکلنا ہو گا۔ اپنے ڈپریشن سے نکلنا ہو گا۔ اپنے گلٹ سے' اپنے اندر کے اندھیروں سے....اس کے بعد ملے گا ہمیں اختیار....کہ معاف کرتے ہیں یا سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم دیں گے سزا جسے ہم چاہیں' اور معاف کریں گے جسے ہم چاہیں۔ اور فسادیوں اور اپنے درمیان

بنائیں گے ذوالقرنین کی دیوار جب ہم چاہیں۔ایسا اختیار پانے کے لئے ہمیں اپنی تکلیف سے نکلنا ہوگا اور تکلیف سے ہمیں دعا نکالے گی۔خواہشوں کا مل جانا نہیں نکالے گا۔میرا یہ کام ہو جائے'مجھے اتنا مال یا اولاد مل جائے تب زندگی پہ میرا ''کنٹرول'' ہوگا'نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ہمیں مضبوط اور پراعتماد زندگی دعا سے ملے گی۔دعا کیا کرو بچے۔یہی تمہارے کام آئے گی۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لکھ رہی تھی گویا وہ سن رہا ہو۔گویا وہ پڑھ رہا ہو۔چلو کبھی تو پڑھے گا۔شاید تب وہ ایسی کوئی سطر ڈھونڈ لے جو اسے کرب سے نکال لائے.....

دیوار کے اس پار ندرت اپنے کمرے میں بچھے نماز والے تخت پہ بیٹھی'نماز ادا کر رہی تھیں۔وہ گھٹنوں کے مسئلے کے باعث دائیں ٹانگ سیدھی لٹاتیں اور بایاں پیر نیچے زمین پہ رکھتیں۔یوں اس حالت میں سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے وہ عشاء کے وتروں کی آخری رکعت میں تھیں۔ان کی نگاہیں تخت پہ بچھی نماز کی محراب پہ جمی تھیں اور روٹین کے انداز میں وہ کلمات ادا کر رہی تھیں۔کمرے کا دروازہ ان کی پشت پہ تھا'تبھی جب انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو آنے والے کو دیکھ نہیں پائیں۔آنکھیں جھکائے نماز پڑھتی رہیں۔کسی نے دھیرے سے دروازہ بند کیا تھا۔وہ تسبیحات ادا کرتی رکوع میں جھکیں۔

''نانا والے گھر کا صحن بہت بڑا تھا۔درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا۔وہاں صحن میں سب نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔''

رکوع میں جھکے جھکے ندرت نے وہ آواز سنی۔ان کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ کپکپائے۔لبوں سے تسبیحات بمشکل ادا ہو پائیں۔

''نانا اپنے ابا جی کا قصہ اکثر سنایا کرتے تھے۔کہ وہ اسی صحن میں اسی درخت تلے نماز پڑھتے تھے۔ایک دفعہ بچھو کہیں سے نکل آیا۔ان کے سامنے بیٹھ گیا۔نانا کے ابا جی نہیں ہلے۔نماز ادا کرتے رہے۔بچھو نے ان کو ڈنک مار دیا۔ایک دفعہ۔دو دفعہ۔وہ نہیں ہلے۔'' کوئی ان کے عقب میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ندرت بدقت سیدھی ہوئیں۔سجدے کی جگہ پہ دھندسی اتر آئی۔کوئی آنسو گال پہ چمکا تھا۔لب اللہ اکبر کہتے ہوئے کپکپائے۔

''وہ اپنی نماز مکمل کرتے رہے۔بچھو نے ان کو کئی ڈنک مارے۔تعداد مجھے یاد نہیں۔مگر سلام پھیر کر وہ گر گئے۔ان کو ہسپتال لے جایا گیا۔معجزاتی طور پہ ڈنک نے ان پہ زیادہ اثر نہیں کیا تھا۔وہ بچ گئے۔'' آواز قریب آ رہی تھی۔قدم ان کے پیچھے سے قریب آ رہے تھے۔ندرت نے کپکپاتے ہاتھ سجدے کی جگہ رکھ کر جھکتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

(پاک ہے میرا بہت اعلیٰ رب.....)

''نانا اکثر یہ قصہ سناتے تھے۔پھر آپ سنانے لگیں۔آپ کہتی تھیں کہ انسان نماز نہیں توڑ سکتا۔میں بحث کرتا تھا۔کہ فتویٰ کہتا ہے توڑ سکتے ہیں۔مگر آپ کہتی تھیں تقویٰ کہتا ہے نہیں توڑنی چاہیے۔میں نہیں مانتا تھا۔اب مانتا ہوں۔'' سجدے کی جگہ پہ چہرہ اور کندھے جھکائے (وہ ماتھا نہیں ٹیک سکتی تھیں'کہ اتنا جھکنا ممکن نہ تھا) تسبیحات لرزہ خیز آواز میں ندرت کے لبوں سے نکل رہی تھیں۔آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے'گرتے جا رہے تھے۔سارا منظر دھندلا گیا تھا۔وہ انہی تسبیحات کو دہرا دہرا کر پڑھ رہی تھیں۔
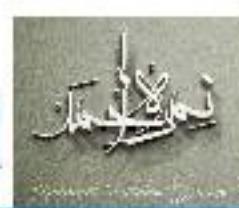
''انسان کو واقعی نماز نہیں توڑنی چاہیے۔ ایک یہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں آپ کو دیکھ کر لوگ فوراً سے رک جاتے ہیں.... انتظار کر لیتے ہیں۔ کسی کی جراءت نہیں ہوتی کہ آپ کو مخاطب کرلے۔ کوئی آپ کو اشارہ تک کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں' اور مسلمانوں کو اتنا خوف تو ہوتا ہے نا کہ کسی بندے اور اس کے رب کے درمیان نہ آئیں۔''

آواز ان کے کندھے کے عین پیچھے آرکی تھی۔ ندرت نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور تکبیر پڑھ کر دوبارہ سجدے میں جھکیں۔

آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔ لبوں سے الفاظ سسکیوں کی صورت نکل رہے تھے۔ وہ بار بار تسبیحات کی تعداد بھول رہی تھیں' سو ان کو دہرائے جا رہی تھیں۔ بار بار.... بار بار.....

''کوئی کسی کی نماز میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا.... سوائے ایک کے.... اور اس ایک کو تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی رعایت دی ہے۔....''

ندرت نے کندھے واپس سیدھے کیے۔ چہرہ بالکل جھکائے' ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے۔ اور التحیات پڑھنے لگیں۔ آنسو ان کے چہرے پہ پھسلتے' تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ ٹپ ٹپ۔ جیسے موتی ہوں۔ شفاف موتی۔

''اور وہ ایک.....'' وہ ان کے بائیں گھٹنے کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔ کنکھیوں سے ندرت کو بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا ان کے ساتھ بیٹھ رہا ہے۔ اس کا سر جھکا ہے اور ہاتھ ندرت کے گھٹنے پہ ہے۔ ''اور وہ ایک ہوتا ہے.... بچہ.... اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی نواسی کو اٹھا لیتے تھے نماز میں.... سو میں سوچتا ہوں امی کہ اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آئے....'' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ندرت کے لبوں سے الفاظ ہچکیوں اور سسکیوں صورت بلند ہونے لگے۔ ''اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آجائے اور وہ.... اور وہ رو بھی رہا ہو.... تو امی اس کی ماں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچے کو اٹھا لے.... اور پھر اپنی نماز مکمل کرلے.... امی اللہ تعالیٰ اپنی نماز کے دوران بھی کسی کو اس کے بچے سے تکلیف کے عالم میں دور نہیں کیا کرتا.... اتنی اجازت تو ہے امی...'' وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھ کر رونے لگا تھا۔ بالکل بچوں کی طرح۔ پھوٹ پھوٹ کر۔ بلک بلک کر۔ ندرت کی آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں ان کی ہچکیاں اور ان کے درمیان الفاظ بلند ہو رہے تھے.... وہ ربِ اجعلنی پڑھ رہی تھیں۔

''اے میرے رب' مجھے بنا پابند نماز کا اور میری اولاد کو بھی.... اے ہمارے رب دعا کو قبول کرلے.... اے ہمارے رب مجھے معاف کر دے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو حساب کے قائم ہونے کے دن!''

ندرت نے گیلے چہرے کو دائیں طرف پھیرا' اس کو سلام اور رحمت اور برکت کی دعا دی۔ پھر بائیں طرف پھیرا' اس کو صرف سلام اور رحمت بھیجی۔ برکت کی دعا نہیں دی.....

وہ اسی طرح ان کے گھٹنے پہ سر رکھے رو رہا تھا۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان.... آہوں اور سسکیوں کے درمیان.... وہ کیا دیکھ رہی تھیں.... وہ کیا سن رہی تھیں.... ان کو معلوم نہ تھا.... منظر دھندلا تھا.... مگر وہ اس کا چھوٹے کٹے بالوں والا سر اٹھا کر جھک کر اس کا چہرہ چومنے لگی تھیں۔ ''میرا سعدی.... میرا بیٹا....'' وہ اس کو پیار کر رہی تھیں' اس کو دیوانہ وار خود سے لگائے چوم رہی تھیں' اور وہ روئے جا رہا تھا۔

سارے منظر دھندلے تھے.... گیلے تھے.... آنسوؤں سے تر تھے.... صرف ایک آواز آتی تھی.... میر اسعدی.... میرا بیٹا.....

دوسرے کمرے میں موجود زمر اس سب سے بے خبر لیپ ٹاپ آف کر کے اٹھی اور پھر سیل دیکھا۔ قدرے فکرمندی سے اسے کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

''کدھر ہو؟''

''آج تو بہت مس کر رہی ہیں۔ خیریت!'' وہ مسکرا کر بولا تھا۔ غالباً ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گیٹ لاک کرنا ہے۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے کہتی بیڈ کی چادر خواہ مخواہ جھاڑنے لگی۔

''میں سوچ رہا تھا آج ہم ڈنر باہر کریں۔''

''ڈنر کا وقت دو گھنٹے پہلے گزر چکا' فارس غازی۔ اب آپ شریف انسانوں کی طرح گھر تشریف لے آیئے۔''

''فوڈ لی ایور آفٹر ہمارے لئے ۲۴ گھنٹے کھلا ہوتا ہے مادام۔ چابی ہے میرے پاس۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔''

وہ رک گئی۔ ''اس وقت تو نہ کوئی شیف ہوگا نہ بیرا۔ پھر؟''

''شیف آپ بن جائیں گی' بیرا میں بن جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زمر کے لبوں پہ مسکراہٹ آ رکی۔

''اگر یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کوکنگ کروں تو گھر آ جاؤ۔''

''مجھے معاف کیجئے۔ گھر میں پورے خاندان کے سامنے نہیں میں کوکنگ کروانے والا آپ سے۔ تیار ہو جایئے۔ میں آنے والا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ' کیا بنواؤ گے مجھ سے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اسٹیک۔ کسی بھی قسم کی۔'' پھر رکا۔ ''آپ کو بنانی آتی ہیں نا؟''

''شیور۔ مسئلہ ہی کوئی نہیں۔'' ادھر اس نے فون رکھا' ادھر زمر نے جھٹ گوگل کھولا۔ دو چار ترا کیب کے اسکرین شاٹس لئے' پھر جلدی سے الماری کھولی اور چند ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔ ایک سیاہ سلک کی لمبی قمیض نکالی جس کے گلے پہ ننھے ننھے موتی لگے تھے۔ یہ ٹھیک رہے گی۔ اور جلدی سے تیار ہونے چلی گئی۔

وہ کار باہر گیٹ تک لایا اور سیل نکال کر اسے کال کرنے لگا۔ زمر نے کال کاٹ دی' یعنی وہ آ رہی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا اور دوبارہ سے ان باکس میں موجود وہ پیغام پڑھا۔

''سر' ریسٹورانٹ میں میں نے کسی کو جاتے نہیں دیکھا' لیکن اوپری منزل کی بتی جلی ہوئی ہے۔ شاید وہ لڑکا آ گیا ہے۔'' فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''زمر بی بی' آپ شیف بننے والی کریں' دو بیرے حاضر ہوں گے آپ کے لئے۔'' اور دوسرے بیرے سے ہی اس کی سرپرائز ملاقات کروانے وہ جا رہا تھا۔ وہ کتنی خوش ہوگی' سوچ کر ہی اسے مزہ آ رہا تھا۔

موبائل یکدم زوں زوں کرنے لگا۔فارس نے دیکھا۔آبدار کالنگ۔اس نے کال کاٹ دی۔پھر ایک پیغام موصول ہوا۔"کیا آپ اس وقت آسکتے ہیں میرے پاس؟ پلیز مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد کالز پہ کالز آنے لگیں۔اس نے اکتا کر فون ہی سائیلنٹ پہ لگا دیا۔تبھی گیٹ کھلا اور وہ باہر آتی دکھائی دی۔سیاہ جھلملاتے لباس میں، گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے ایک طرف آگے کو ڈالے' ناک میں دمکتی سونے کی نتھ پہنے' وہ ایک سادہ مگر بے نیاز مسکراہٹ کے ساتھ چلی آرہی تھی۔جب فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' کہنے بغیر نہ رہ سکا۔"اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں بری لگی ہوں کیا کبھی۔"اس نے شانے اچکائے۔

چڑیل، گھنگریالے بالوں والی ڈائن' سڑی ہوئی پر اسیکیوٹر' جیسے وہ تمام القابات فارس کو یاد آئے جو کچہری میں لوگ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے لیکن.....وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔"تو کوکنگ کریں گی آج آپ میرے لئے۔"

"اگر تم بیر اگری کرو گے' تو ہاں!"وہ بھی سادگی سے مسکرائی۔فارس نے سر کو خم دیتے ہوئے ایکسلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور گیئر کو حرکت دی۔کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے

بکھر چلے ہیں ترا انتظار کرتے ہوئے

سبز بیلوں سے ڈھکا مورچال خاموش کھڑا رہ گیا۔اس کے اندر جاؤ تو ندرت ہنوز نماز والے تخت پہ تھیں' اور وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔چہرے پہ تکان تھی' مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ندرت ابھی تک رو رہی تھیں' بار بار اس کے چہرے اور سر پہ ہاتھ پھیرتیں۔

"بے غیرت نہ ہو تو' یہ بالوں کو کیا کر لیا ہے؟ ناں اتنے دن سے کدھر تھے؟ ماں کا خیال بھی نہیں آیا۔"کہتے کہتے اس کے سر پہ چپت لگائی۔اس نے گہری سانس لی۔

"بس مارنا نہیں بھولتیں آپ ندرت بہن۔شاپنگ کرتے وقت میرے لئے مایونیز لینا بھول جاتی ہیں لیکن۔اگر پتہ تھا کہ میں نے آنا ہے' تو میں ناشتے میں کیا کھاؤں گا' اتنا تو سوچا ہوتا۔"

"لے آئی ہوں مایونیز' کیسے بھول سکتی تھی!"وہ اس کی بات کی گہرائی میں گئے بغیر آنسو پونچھتے بتا رہی تھی۔پھر کار کی آواز آئی تو کھڑکی کی طرف دیکھا۔سعدی نے انہیں اٹھنے سے روکا۔"میں دیکھ چکا ہوں۔فارس ماموں اور زمر ہیں' باہر گئے ہیں۔ان کو ابھی نہ بلایئے گا۔جانے دیں۔"

"اچھا مگر....."وہ پیر نیچے اتارتیں چپل تلاش کرنے لگیں۔"باقی سب کو تو بلاؤ' حنین' اسامہ....."وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ ان کے ساتھ باہر نکلا۔

اسامہ یوسف اس وقت کٹو بیگم کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اور جمائیاں روکتا اس کو سن رہا تھا جو نہایت جوش و خروش سے بولے جا رہی تھی۔

''تم سوچ نہیں سکتے سیم وہ جو گھر میں نے گوگل پہ دیکھے۔ وہ کوئی عالیشان محل نما گھر نہیں تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر تھے' ان کے باتھ رومز تو ہمارے سے بھی چھوٹے تھے۔ مگر کس طرح ان کو سجایا گیا تھا' الامان۔ میں سمجھتی تھی خوبصورت گھر بڑے گھر ہوتے ہیں مگر مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چھوٹے گھر زیادہ خوبصورت بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر انسان کو سلیقہ آتا ہو۔''

''حنہ صبح اس سلیقے پہ بات کر لیں گے۔ ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''

حنین نے اس کے سر پہ چپت رسید کی۔ ''دو منٹ سکون سے بیٹھ کر میری بات نہیں سن سکتے؟ ابھی سعدی بھائی ہوتا نا تو....'' باہر سے کوئی شور سا بلند ہوا تھا۔ دونوں چونک گئے۔ ابا کی آواز.... ابا کے رونے کی آواز۔ حنین اور اسامہ نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ننگے پیر بستر سے اتر کر باہر بھاگے۔ لاؤنج میں سب موجود تھے۔ ندرت نے صداقت اور حسینہ کو بھی بلوا لیا تھا۔ وسط میں صوفے پہ ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ روتے ہوئے کسی سے گلے مل رہے تھے۔ بول کچھ نہیں پا رہے تھے' بس آنکھیں بند کیے روتے جا رہے تھے۔ ان سے ملنے والا لڑکا سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھا' مسکرا کر ان کے گلے لگ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ بال چھوٹے چھوٹے کٹے تھے' شیو بڑھی ہوئی تھی' اور منہ کا زخم ویسا ہی تھا۔

حنین وہیں جم گئی۔ گویا پتھر کا بت ہو۔ آنکھیں شاک کے عالم میں کھلی رہ گئیں۔ سیم چیخ مارتا تیزی سے بھاگا اور پیچھے سے جا کر سعدی سے لپٹ گیا جو خود ابا سے گلے ملنے کی حالت میں جھکا ہوا تھا۔ سیم کے اس انداز پہ وہ ہنستے ہوئے الگ ہوا اور سیم کو بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لپٹایا۔ صداقت خوشی خوشی پانی لے آیا' کہ ابا کو پلائے۔ حسینہ (جس کو ندرت نے کھانا گرم کرنے کا کہا تھا۔) دوپٹہ دانتوں میں دبائے دلچسپی سے منظر نامہ دیکھنے لگی۔ (ان لوگوں کا بھی نا روز کوئی نیا ڈرامہ ہوتا ہے۔)

ساکت' متحیر' شل سی حنین کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ اور نمی بھی۔

وہ ننگے پاؤں لاؤنج کے ٹھنڈے مرمریں فرش پہ چلنے لگی۔ وہ اب ہنستے ہوئے سیم کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' ابا کو کچھ کہہ رہا تھا۔ (شاید یہ کہ سیم بڑا ہو گیا ہے۔)

حنین قدم اٹھاتی رہی۔

گویا برف کا صحرا تھا جس میں وہ قدم قدم چلتی جا رہی تھی۔

فاصلہ عبور کرتی جا رہی تھی۔

وہ مسافت کتنی طویل تھی.....

وہ مسافت کتنی سرد' کتنی کٹھن تھی۔

اس کے پیر ٹھنڈے ہو کر جمنے لگے تھے مگر وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتی..... آگے بڑھتی گئی۔

صوفے کے کنارے وہ رکی۔ ''بھائی!'' کسی نے اس کی پکار نہیں سنی۔ سیم اور ابا اب خوشی سے (آنسو پونچھتے) بات کر رہے تھے' ندرت کچن میں صداقت کو لیے چلی گئی تھیں۔ صرف سعدی نے گردن اٹھائی' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا جو اس کی پشت پہ کھڑی تھی۔ اس کا کپکپاتا ہاتھ صوفے پہ جما تھا اور مسکراتی متحیر نظریں سعدی پہ۔

''کیسی ہو حنین؟ ٹھیک ہو؟ ابا' سیم کتنا بڑا ہو گیا ہے' کیا یہ اب آپ کی دوا کا خیال رکھتا ہے۔'' وہ دو لفظ اس سے بول کر مڑ کر اپنے ساتھ لگے سیم کی بابت ابا سے مسکرا کر دریافت کرنے لگا۔ جواب میں سیم زور سے اپنی کارکردگی بتانے لگا اور ابا ہنستے ہوئے اس کی تائید کرنے لگے۔ ''یہ میرا تمہاری طرح خیال رکھتا تھا۔''

ایسے میں صرف حسینہ نے محسوس کیا کہ پیچھے کھڑی حنین کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی ہے' اور وہ اسی طرح الجھی' متحیر سی کھڑی رہ گئی ہے۔ صوفے کی پشت پہ رکھا ہاتھ بھی گر گیا ہے اور وہ یک ٹک سعدی کے سر کی پشت کو دیکھ رہی تھی' جس نے دوسری نظر اس کو دیکھا تک نہیں تھا۔

کیا اس لئے پار کیا تھا برف کا صحرا اگر آخر میں سفید مجسمہ ہی بن جانا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی قیس تھا تو ہوگا' کوئی کون کن تھا' ہوگا

مرے رنج مختلف ہیں مجھے ان سے نہ ملاؤ

رات کی سرد پرسکون خاموشی میں **فوڈلی ایور آفٹر** کی عمارت بھی ویران پڑی تھی۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ پارکنگ خالی تھی۔ وہ دونوں کچن کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ زمر نے بتی جلائی تو کچن روشنی میں نہا گیا۔ وہ سیاہ لباس پہ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئی تھی۔ اب جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن گھما کر طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''سو تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کچھ بناؤں۔'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا تو وہ جو کچھ کہنے لگا تھا' فون کی وائبریشن پہ ٹھہرا' اثبات میں سر ہلایا اور فون نکال کر دیکھا۔ آبدار کی 25 مسڈ کالز۔ لیکن ابھی فون حنین کے نام سے جل بجھ رہا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ ''ہاں حنہ' بولو۔'' زمر آستین پیچھے کو موڑتی فریج کی طرف بڑھ گئی تھی اور اسے کھولے جھک کر مختلف اشیاء الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں بھائی کے آنے کا۔'' وہ کچھ ناخوش' الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ فارس بری طرح چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا؟ کیا سعدی نے کچھ کہا ہے؟'' زمر اس نام پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کچھ نہیں کہا' یہی تو غم ہے۔''

''حنین کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ ٹھٹکا۔

''بھائی گھر آ گیا ہے۔ اس وقت وہ لاؤنج میں امی کے ساتھ.....'' فارس نے پوری بات سنے بغیر بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ نیچے گرایا اور

ایک دم چہرہ اٹھا کر دروازے کو دیکھنے لگا۔

''اگر وہ وہاں ہے تو یہاں کون ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔ زمر مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا' ساتھ ہی وہ مسلسل چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''تم یہیں رکو۔ میں آتا ہوں۔''

''فارس کیا ہوا ہے؟''

''گارڈ نے مجھے کہا سعدی ادھر ہے مگر..... تم یہیں رکو۔'' وہ برہمی سے کہتا باہر نکلا تو وہ فکرمندی سے پیچھے آئی۔ وہ ریسٹورانٹ کے اندھیر اور سنسان پڑے لاؤنج میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بریٹا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور تاک کر ادھر ادھر دیکھتا وہ کسی کی تلاش میں تھا۔ اندھیرے میں فارس کا ہیولہ دکھائی دیتا تھا جسے وہ فکرمندی سے دیکھے گئی۔ فارس اوپری ہال کا دروازہ دھیرے سے دھکیلتا اندر جا رہا تھا۔ زمر کھڑی رہی کیونکہ اس نے کہا تھا وہ یہیں رکے۔ اور پھر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس کی گردن کی پشت کو کسی ٹھنڈی چیز نے چھوا تھا۔ پستول کی نال جیسی ٹھنڈی۔ وہ منجمد ہو گئی۔ مڑ بھی نہ سکی۔

''ہلنا مت ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ پچھلی دفعہ کمر میں ماری تھی' اس دفعہ کھوپڑی کے پار جائے گی۔'' وہ اس آواز کو پہچانتی تھی' صرف پانچ برس قبل اس فون کال پہ نہیں پہچان سکی تھی۔

''اب آہستہ سے مڑو۔'' دوسرا حکم جاری ہوا۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گویا پتھر کے بت کی طرح گھومی۔ دھیرے سے۔ اب اس کے مخاطب کا وجود سامنے آیا۔

کوٹ اور اونی ٹوپی میں ملبوس بڑھی شیو والا کرنل خاور اس کے اوپر پستول تانے اسے گھور رہا تھا۔ زمر نے جواباً اس کو بھی انہی نظروں سے دیکھا۔ پرسکون مگر چبھتی ہوئی نظریں۔

''اب اس کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔'' اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی جو اس نے میز پہ ڈال دی اور ایک کرسی کھینچ کر کچن کے وسط میں رکھی' اسے دوبارہ اشارہ کیا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کے پہریدار کو خرید لیا اور اس کے نمبر سے فارس کو میسج کیا تاکہ وہ ادھر آئے' تم نے اسے سعدی کا جھانسہ دیا؟ ہے نا؟''

''بیٹھ جاؤ ڈی اے۔'' اس نے غرا کر کہا۔ وہ کرسی پہ آ بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ہاتھ بدستور جیبوں میں تھے۔

''اب اس ہتھکڑی کو دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پہنو۔'' اس نے اگلا حکم دیا' ساتھ ہی بار بار دروازے کو دیکھتا گیا۔ وہ نہیں ہلی' بس گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مجھے ترس آتا ہے تم پر۔''

''ہنوز مر صاحبہ!'' وہ گھرک کر بولا۔ زمر نے جواباً جیبوں سے بند مٹھیاں نکال کر ان کو کرسی کے پیچھے لے جا کر ملایا' مگر ہتھکڑی کو نہیں چھوا۔ ''میں اپنے ہاتھوں سے خود کو ہتھکڑی نہیں لگاؤں گی۔ میں دوسروں کو ہتھکڑی لگوایا کرتی ہوں۔''

''لگتا ہے زمر صاحبہ' آپ نے پانچ سال پہلے والے واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھا!'' وہ ہتھکڑی اٹھا کر اس کے پیچھے گیا اور جھک کر اس

کے ہاتھ تھامنے چاہے۔صرف ایک لمحے کے لیے وہ جھکا تھا' صرف ایک لمحے کے لیے.....مگر وہ اٹھ نہیں سکا کیونکہ پیچھے سے اس کے سر پہ پستول کا دستہ زور سے آ لگا تھا۔نازک حصے پہ لگنے والی چوٹ کے باوجود وہ گرا نہیں' بلکہ اسی پھرتی سے پلٹا اور پوری قوت سے پیچھے کھڑے فارس کے منہ پہ مکا دے مارا۔فارس کا توازن بگڑا تو وہ پیچھے کو لڑھکا' لیکن پھر دوبارہ خاور کو گریبان سے پکڑ کر میز پہ کمر کے بل گرایا۔زمر اب تک اٹھ کر سامنے دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم میری بیوی کے قریب آؤ۔تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' وہ سرخ بھبوکا چہرہ لیے اس کے سینے پہ دباؤ ڈالے اس کے منہ پہ زور زور سے مکے مار رہا تھا۔خاور کو دھندلا سا اپنے اوپر جھکا فارس نظر آ رہا تھا اور پھر اس کے کندھے کے پیچھے آ کر رکتی زمر۔

''بس کرو فارس' وہ مر جائے گا۔'' پھر اندھیرا تھا۔گناہوں جیسا سیاہ اندھیرا۔

منظر ہنوز دھندلا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔کمرے میں اندھیرا تھا۔اس نے پلکیں جھپکائیں۔ہلکی سی روشنی نظر آئی۔چھت پہ لگا ایک سفید بلب جل رہا تھا۔اس نے گردن سیدھی کی۔یوں محسوس ہوتا تھا گویا چہرے اور گردن تک نمی سی چپکی ہو۔شاید اس کا خون تھا۔اس نے پھر سے آنکھیں جھپکیں۔کندھے سیدھے کیے۔تب محسوس ہوا کہ دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار سے بندھے ہیں۔شاید گیس پائپ کے ساتھ۔اس نے کلائیاں کھینچیں مگر وہ ہتھکڑیوں میں کسی ہوئی تھیں گویا وہ کسی صلیب پہ کھڑا ہو۔صلیب کے نشان کی سی صورت بندھا کھڑا ہو۔بھاری پلکیں اٹھا کر اس نے دیکھا۔

کچن کے دوسرے کونے میں' وہ دونوں کھڑے نظر آ رہے تھے۔مرد اور عورت۔مرد کی اس طرف پشت تھی' اور وہ دونوں ہلکی جھنجھناہٹ کے ساتھ آپس میں بات کر رہے تھے۔اس کے مختل ہوئے حواس جاگنے لگے۔گردن کو دائیں بائیں گھما کر ایکسرسائز کے انداز میں گویا تازہ دم کیا' پھر آواز لگائی۔''مجھے مارنے کے لیے ادھر باندھا ہے کیا؟''

فارس گھوما اور پستول اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔آنکھوں میں خون اترا ہوا لگتا تھا۔''ایک لفظ نہ نکالنا منہ سے ورنہ میں واقعی تمہیں گولی مار دوں گا۔''

''اچھا۔'' زخمی چہرے اور سوجی آنکھ والا خاور ہنسا۔ہنستے ہنستے سر جھٹکا۔''تم نے میری زندگی برباد کر دی اور اب یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گا؟''

''ہم نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی۔'' زمر ناگواری سے کہتی دو قدم آگے آئی۔''تم نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے کرنل خاور۔''

خاور کی نظریں زمر سے ہوتی فارس تک گئیں۔''بیوی کو نہیں بتایا کہ تم نے اور سعدی نے میرے ساتھ کیا کیا؟ آبدار کے ذریعے تم نے اسے پیغام بھجوایا' ہامان کو سولی چڑھا دو۔وہ کاغذ مجھے اس لڑکے کے سامان سے جلد مل گیا تھا۔پھر سعدی نے زمر صاحبہ میرے اوپر الزام لگایا کہ میں نے اورنگزیب صاحب کو قتل کیا ہے' اور پھر جب وہ مجھے چکما دے کر بھاگ نکلا تو یہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ایک پارک میں۔آبدار صاحبہ کے ساتھ۔سی سی ٹی وی فوٹیج میں دیکھا تھا میں نے تمہیں فارس غازی۔اور تمہاری ساری گیم سمجھ گیا تھا میں۔ابھی اگر موقع ملتا تمہاری

بیوی کو یرغمال بنانے کا تو تم سے اعتراف بھی کرالیتا۔" پستول والا ہاتھ زور سے اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ خاور کا چہرہ گھوم گیا۔ کنپٹی سے خون بھل بھل گرنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً سے مسکراتا چہرہ واپس موڑ لیا۔

زمر چونک کر فارس کو دیکھنے لگ گئی۔ یہ انکشاف اس کے لیے نئے تھے۔

"میرا آدمی کہاں ہے؟ تم کس ارادے سے یہاں آئے تھے؟" اس پر پستول تانے وہ غرا کر پوچھ رہا تھا۔

"اسے کہیں جھاڑیوں میں مار گرایا تھا' وہیں پڑا ہوگا۔ مگر ظاہر ہے پہلے اس سے میسج کروایا تھا۔ میں چاہتا تھا تم پورے خاندان کے ساتھ آؤ اور ہم تمہارے کسی بوڑھے یا بچے کو درمیان میں رکھ کر بات کریں۔ تم کیس تک واپس لے لیتے اگر میں آج یہ کر لیتا۔"

فارس نے جواب نہیں دیا۔ وہ بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ زمر جو پہلے اچنبھے سے فارس کو دیکھ رہی تھی' اب اس کے چہرے پہ تشویش پھیلنے لگی۔ "فارس۔" اس نے دھیرے سے پکارا مگر وہ اسی طرح خاور پہ نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟ کیوں آئے تھے تم یہاں اس وقت؟"

"تمہیں کمپرومائزنگ پوزیشن میں لانا چاہتا تھا' لیکن بونس کے طور پہ مجھے کیا ملا؟" اس نے لال انگارہ آنکھوں کا رخ زمر کی طرف پھیرا۔

"مسز زمر کے تمام ڈاکومنٹس جو اوپر فائلز میں لگے پڑے ہیں۔ ہاشم کے لیپ ٹاپ کی فائلز۔ اب مجھے صرف جا کر ہاشم کو یہ بتانا ہے اور وہ ان ڈاکومنٹس کا توڑ کر لے گا۔"

"یہ تب ہوگا جب تم زندہ یہاں سے جاؤ گے۔" فارس کی اس پہ گڑی آنکھوں میں مزید سرخی اترنے لگی۔ وہ بنا پلک جھپکے' بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے بالکل بدلا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا' کان سرخ تھے' اور اندر سے گویا کوئی آگ نکل رہی تھی۔

"فارس۔" اس کے قریب کھڑی زمر نے بے چینی سے پکارا۔ "ظاہر ہے وہ زندہ یہاں سے جائے گا۔ اس کو جانے دو۔"

"نہیں۔" اس پہ نظریں جمائے فارس غازی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ زمر کی رنگت فق ہوئی۔ البتہ خاور کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔

"تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں زندہ ہوں؟ میں تو غازی اسی دن مر گیا تھا جب بازار میں میرے دو بیٹوں کو گولیاں ماری گئی تھیں۔ یہ اتنے برس میں زندہ تو نہیں تھا۔"

"خاور پلیز چپ ہو جاؤ۔" زمر نے بات کاٹی مگر اسے کوئی نہیں سن رہا تھا۔

"مارنا چاہتے ہو مجھے؟ چلو آؤ' مارو مجھے۔" دیوار سے بندھے خاور نے سر کے اشارے سے گویا اسے چیلنج کیا۔ فارس پستول اس پہ تانے دو قدم آگے بڑھا۔ زمر احتیاط سے اس کے ذرا قریب آئی۔ "فارس اس کو جانے دو۔"

"تمہیں مجھے مار ہی دینا چاہیے' کیونکہ ہاشم کے بغیر میری کوئی زندگی نہیں ہے۔ تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا' اب زندگی بھی لے لو۔ آؤ نا غازی۔ مار دو مجھے۔ چلاؤ گولی۔"

''فارس اس کی بات مت سنو۔ اس کو جانے دو۔'' زمر نے بے چینی سے پکارا۔

''تمہارے بھائی کو میں نے اپنے انہی ہاتھوں سے مارا تھا، ایسے ہی باندھ کر۔'' وہ اپنی کسی ہوئی مٹھیاں بھینچ کر بتا رہا تھا۔

''میرے بھائی کا نام مت لو۔'' وہ آنکھیں اس پہ مرکوز کیے غرایا۔

''کیوں نہ لوں؟'' خاور تلخی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے۔ تم مجھے اور ہاشم کو قتل کرنا چاہتے تھے نا۔ لو اب کر لو۔''

فارس کو وہ اپنے سامنے دیوار سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ اس منظر میں سرخی بھی تھی، دھندلاہٹ بھی۔ اور اس منظر میں چند دوسرے مناظر بھی ابھر ابھر رہے تھے۔ پنکھے سے لاش جھول رہی تھی جسے وہ دوڑ کر پیروں سے پکڑ رہا تھا..... دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ایک کفن میں لپٹے شخص کے سرہانے رو رہی تھیں، ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں......

''گولی چلا دو غازی۔ بدلہ لو اپنے بھائی کا۔ زرتاشہ کا۔ زمر کا۔ سعدی کا۔ لو مجھ سے بدلہ۔ جیسے میں نے لیا تھا۔ جب اس بریگیڈیئر اور اس کے پورے خاندان کو مار ڈالا تھا۔ تب میں وہ بنا تھا جو آج میں ہوں۔ اور آج تم میرے جیسے بنو گے۔''

فارس کا منظر ویسا ہی تھا۔ سرخ دھندلا سا۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پہ سفید چہرہ لیے بند آنکھوں اور سیاہ بالوں والی لڑکی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے، چہرہ شکستگی کے عالم میں جھکائے ہوئے تھا۔ اس لڑکی کا ہاتھ بہت ٹھنڈا اور بے جان تھا۔

''چلاؤ گولی۔ مار دو مجھے۔''

''فارس، اس کی مت سنو۔ یہ تمہارے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا ہے۔'' وہ فکرمندی سے کہتی اس کے مزید قریب آئی۔ ایک ایک قدم احتیاط سے رکھتی تھی۔ ''تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس کی جان نہیں لو گے۔ تم قاتل نہیں ہو فارس۔''

فارس نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح خاور پہ نگاہیں تانے رہا۔ خاور نے ہلکے سے ہنس کر سر جھٹکا۔ ''مجھے معلوم تھا تم مجھے نہیں مارو گے۔ چلو مجھے غلط ثابت کرو۔ چلو مجھے جہنم میں پہنچا دو۔ ہمت ہے؟ غیرت ہے؟ ہے یا نہیں فارس غازی؟ مرد بنو!'' وہ غرایا تھا۔

فارس کا نفس تیز ہونے لگا۔ آنکھوں کی تپش شراروں میں بدلنے لگی۔

''فارس اس کی بات مت سنو۔ یہ قاتل ہے۔ اس کی زندگی بے کار ہو چکی ہے اس لیے چاہتا ہے تم اس جیسے بن کر جیل چلے جاؤ۔ فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔ میری بات سنو۔ فارس میری بات سنو۔'' وہ اس سے التجا کر رہی تھی۔ وہ پانچ سال پیچھے چلی گئی تھی اور وہ فون پہ فارس سے بات کر رہی تھی۔ زمان و مکان کی حدود آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

''مجھے ایک گولی مارو فارس..... دل میں۔'' وہ اسے اکسا رہا تھا۔ وہ تینوں ہمیشہ سے اس تکون میں تھے۔ پانچ سال سے وہ اس تکون میں قید تھے۔ آج وہ تکون پھر سے واپس آ گئی تھی۔

''فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔'' آنسو زمر کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔ وہ اس سے تین قدم دور کھڑی اس کی منت کر رہی تھی۔ ''اگر تم

نے اسے مار دیا تو تم اس جیسے بن جاؤ گے۔تم قاتل بن جاؤ گے۔تم اپنی معصومیت کھو دو گے۔نہیں ہو تم کافر....ماکر....کاذب....قاتل۔ نہیں ہو تم مجرم۔تم بے گناہ تھے،لیکن اگر اس کو مارا تو نہیں رہو گے۔''

''اس نے.....''وہ بولا تو آواز عجیب غراہٹ کی صورت حلق سے نکلی۔''میرے بھائی.....اور میری بیوی کو مارا....میں انہیں نہیں بچا سکا.... اس نے....انہیں مارا۔''پستول مزید تان لی۔اس کا پستول والا ہاتھ پسینے میں شرابور تھا۔

''مگر تم اس کی جان نہیں لے سکتے فارس۔سرکار جان لے سکتی ہے،شہری نہیں۔یہ حق دفاع نہیں ہو گا کیونکہ یہ آدمی تمہیں مارنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔یہ کسی دوسرے کی جان بچانے کے لیے بھی نہیں ہو گا۔یہ 'مارنا''نہیں ہو گا۔یہ''قتل کرنا''ہو گا۔کولڈ بلڈ میں قتل۔یہ جرم ہے۔یہ گناہ ہے۔فارس پلیز تم اس کو جانے دو۔میری بات سنو۔''وہ پانچ سال پہلے کی طرح اس کی منت کر رہی تھی۔آنسو اس کے گالوں پہ بدستور پھسل رہے تھے۔

''رک کیوں رہے ہو فارس غازی؟مارو مجھے۔چلاؤ گولی۔مرد بنو۔''

وہ دیوار سے بندھا شخص نفرت سے اسے دیکھتا پکار رہا تھا۔اکسا رہا تھا۔فارس کی گرفت ٹریگر پہ مضبوط ہوئی۔

''مجھے....بدلہ لینا ہے....اپنے بھائی کا....اپنی بیوی کا.....''

''میری بات سنو فارس.....''وہ ملتجی سی کہہ رہی تھی۔''تم اس کو نہیں مارو گے۔تم اس جیسے نہیں بنو گے۔تم نے اسے مارا تو یہ جیت جائے گا۔ اس کے پاس چوائس تھی برسوں پہلے۔یہ چاہتا تو نہ مارتا اپنے بچوں کے قاتل کو،مگر اس نے مار دیا۔یہ تب ایسا بن گیا۔یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس کے پاس چوائس نہیں تھی۔یہ پرسکون ہو کر مرنا چاہتا ہے۔تم اس کو وہ سکون مت دو۔ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔تم سن رہے ہو فارس؟''وہ درد سے چلا کر بولی تھی۔''تم خدا نہیں ہو۔تم قصاص مانگ سکتے ہو۔تم انتقام نہیں لے سکتے۔تم خون کا انتقام نہیں لے سکتے۔ تم انسان ہو۔انتقام میں تم اس کی زندگی تباہ کرو،اس کی پراپرٹی کو آگ لگاؤ،اس کی عزت کو نقصان پہنچاؤ،تم یہ سب کر سکتے ہو،مگر کسی کی جان لینا....وہ لکیر پار کر لینا....یہ غلط ہے۔تم یہ نہیں کرو گے۔''

''مرد بنو فارس غازی.....''وہ بھی مسلسل اس کو استہزائیہ انداز میں دیکھتا اکسا رہا تھا۔فارس دانت ایک دوسرے پہ جمائے،اسے گھورتے ہوئے اس پہ پستول تانے کھڑا رہا۔کھڑا رہا۔یہاں تک کہ زمر کا دل ڈوبنے لگا۔وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی مگر ایک بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی تھی کہ کہیں وہ کچھ کر نہ ڈالے۔

''کلک.....کلک....''سائیلنسر لگے پستول کا ٹریگر فارس نے ایک دم دبایا۔یکے بعد دیگرے.....دو گولیاں....زمر کا دل بند ہوا....خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔مگر ایک جھٹکے سے اس کی ہتھکڑی ٹوٹی اور بازو نیچے گرے تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

فارس نے پستول شکستگی سے جھکا لیا تھا۔اس نے گولیاں اس کی ہتھکڑیوں سے لگی زنجیر پہ ماری تھیں۔

''میں تمہیں نہیں ماروں گا کرنل خاور۔''وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔''اس لیے نہیں کہ میں نے تمہیں معاف

کیا، میں قیامت تک تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ مگر اس لیے کہ میں ..... قاتل ...نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں ہوں۔"

خاور کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ اس کے بازو واپس پہلو میں گر چکے تھے مگر وہ چند لمحے شل سا کھڑا رہا۔ زمر آنکھیں رگڑتی گہرے گہرے سانس لیتی خود کو پرسکون کرنے لگی مگر آنسو ابل ابل آ رہے تھے۔

"تمہارے پاس چوائس تھی خاور۔ تب بھی تھی۔ میں اور تم..... برابر نہیں ہیں۔" نفرت سے اسے دیکھ کر وہ بولا تھا۔ خاور کا چہرہ سیاہ پڑنے لگا گویا وہ گل سڑ رہا ہو۔

"تم چاہتے تو قاتل نہ بنتے۔ تم اپنے بچوں یا ہاشم کے لیے قاتل نہیں بنے۔ تم اپنی وجہ سے قاتل بنے تھے۔ مگر میں قاتل نہیں بنوں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" کہنے کے ساتھ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا۔

خاور نے ایک ہاتھ سے دوسرے کی کلائی دباتے ہوئے، شل نظروں سے اسے دیکھتے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر دھیرے سے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ اس کا پستول اندر تھا۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ دروازے تک پہنچ کر وہ پستول نکال کر ایک دم گھوما اور اسے زمر کی طرف تان کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک دو تین چار..... محض کلک کلک کی آواز سنائی دی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا، نہ گولی چلی۔ خاور نے جھلا کر اپنے خالی پستول کو دیکھا۔

فارس نے دوسری جیب میں مٹھی ڈال کر باہر نکالی اور پھیلائی۔ اس میں خاور کے پستول کی چند گولیاں تھیں۔ خاور کے چہرے پہ شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔

"بھاگ جاؤ، اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل ڈالوں۔"

خاور نے تلملا کر دروازہ کھولا۔ "میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

زمر اسی طرح کھڑی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز آتی تھی۔ وہ اسے دیکھے بنا، میز پہ ہاتھ رکھے، آہستہ سے.... شکستہ سا زمین پہ بیٹھا... اکڑوں حالت میں.... کمر کرسی کی ٹانگوں سے لگا لی۔ تھوڑی جھک کر سینے سے آ ملی۔ وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

"میں بزدل نکلا۔ میں اسے نہیں مار سکا۔" وہ سر جھکا کر نفی میں ہلاتا کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ زمر نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا، فارس کی جھکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر فرش پہ گر رہے تھے۔

"میں اپنے بھائی کا اپنی بیوی کا تمہارا.... بدلہ نہیں لے سکا.... میں بزدل نکلا.... میں گولی نہیں چلا سکا۔" وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ تب زمر نے دیکھا، اس کی کنپٹی کے قریب.... خاور کے مکے کے باعث.... جلد پھٹ گئی تھی اور ذرا سا خون رس رس کر جمنے لگا تھا۔ کان تک خون کی لکیر آ رہی تھی۔ اس نے میز پر رکھے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچا اور اس کے قریب زمین پہ بیٹھی۔

"آئی ایم سو سوری فارس۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولتی ٹشو اس کے زخم سے مس کرنے لگی۔ "زرتاشہ کو مارنے کی ذمہ دار میں بھی

ہوں۔ مجھے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا اسے لے کر..... مجھے اس کی جان بچانی چاہیے تھی مگر میں سمجھی تھی فارس.... کہ میں تمہاری جان بچا رہی ہوں.... تمہاری روح کو.... تمہارے دل کو بچا رہی ہوں۔" اس کا زخم صاف کرتے ہوئے وہ بولتی جا رہی تھی۔ "آئی ایم سوسوری۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں نے بہت غلط کیا۔" فارس کا سر ہنوز جھکا تھا۔ اس کے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

"میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ تمہیں اتنا نقصان پہنچایا۔ میں خود غرض ہو گئی تھی۔ یا مجھے لگا تھا میں انصاف کے لئے کر رہی ہوں یہ سب۔ مگر فارس.... میں چاہتی تھی تم اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں پا لو.... تا کہ تم خود کو کریکٹ کر لو.... اپنی اصلاح کر لو.... تم میرے لئے اہم تھے، ہمیشہ اہم تھے.... تب ہی میں نے زرتاشہ کی جگہ تمہیں بچانا چاہا۔ تمہارے دل کا سوچا۔ آئی ایم سوسوری۔" وہ اس کا خون ٹشو سے نرمی سے صاف کرتی بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

"میں نے چار سال جیل میں گزارے.... اس آدمی کی وجہ سے.... اور میں اس کو نہیں مار سکا۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوسوری۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔" وہ اس کے جمے خون کو ہلکا ہلکا ٹشو سے رگڑ کر صاف کرتی کہے جا رہی تھی۔ "تم میرے لئے ہمیشہ سے اہم تھے۔ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تم کبھی کسی کو قتل نہیں کرو گے فارس۔"

فارس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے زرتاشہ سے محبت تھی اور میں اس کے لیے قتل تک کرنا چاہتا تھا!" آج اسے پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔

"اور زرتاشہ کبھی نہیں چاہے گی کہ تم جیل جاؤ اس کا بدلہ لینے کی پاداش میں۔ زرتاشہ چاہے گی کہ تم خوش رہو، نئی زندگی شروع کرو۔"

"میرے سامنے وہ تھا.... میرا مجرم اور میں اس کی جان نہیں لے سکا۔ میں بزدل نکلا۔"

زمر نے نفی میں گیلا چہرہ دائیں بائیں ہلایا۔ "تم مسلمان ہو۔ تم نے خدا بننے کی کوشش نہیں کی۔ تم بہادر ہو، تم نے انسانیت دکھائی۔"

فارس نے ناک سے گیلا سانس کھینچتے کرسی کی ٹانگ سے سر ٹکا دیا اور نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ "میں خدا نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ میں خدا نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا تھا، اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔"

"ہم اپنا انتقام اللہ پہ چھوڑتے ہیں فارس۔ ہم انصاف کے لئے لڑیں گے مگر انتقام کے لئے نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو اب کسی کو مارنے کا نہیں سوچو گے۔" وہ اس کے خون اور بالوں کو نرمی سے ٹشو سے صاف کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"نہیں سوچوں گا۔"

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ کسی بھی صورت نہیں۔ آئی لو یو سو مچ۔ آئی ریئلی ڈو۔ تم بہت اچھے ہو۔" وہ ابھی تک بے مقصد اس کے زخم پہ ٹشو پھیر رہی تھی۔ وہ تکان بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے لب ایک ہی سطر بڑبڑا رہے تھے۔ "میں خدا نہیں بننا چاہتا۔ میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا۔"

اور وہ بے آواز آنسو بہاتی اس کا زخم ابھی تک صاف کرتی دہرائے جا رہی تھی۔ "آئی لو یو سو مچ۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی....."

سرد رات باہر قطرہ قطرہ جمتی رہی.....پگھلتی رہی.....جم کر پگھلتی رہی...ٹوٹا ہوا چاند بادلوں میں تیرتا رہا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
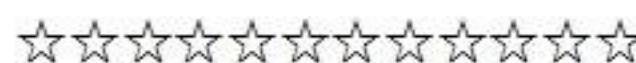
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اس ٹوٹے چاند تلے...زمین پہ بنے مورچال کے لاؤنج میں جتنی گہما گہمی تھی اس کے اس بیڈروم میں اتنا ہی سناٹا تھا۔حنین مدھم نائٹ بلب جلائے بستر پہ یوں بیٹھی تھی کہ پیر زمین پہ لٹکے تھے اور ہاتھ گود میں تھے۔چہرہ ویران اور آنکھوں میں شل سا تاثر تھا۔وہ یک ٹک بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔جب دروازہ دھیرے سے کھلا۔اندھیرے میں بیٹھی حنہ نے چہرہ اٹھایا۔باہر روشنی میں نہائے دروازے سے سعدی اندر داخل ہوا تھا۔اس کے ہاتھ میں فون اور چارجر تھا۔

''یہ کہاں لگے گا؟ تھری پن ہے۔''اس نے نگاہیں ملائے بغیر سوال پوچھا۔پھر خود ہی دیوار پہ ادھر ادھر دیکھا۔تھری پن ساکٹ نظر آیا تو آگے بڑھا' جھک کر چارجر لگایا' اور فون وہیں زمین پہ رکھ دیا۔پھر جانے کو مڑا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولی۔سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔مگر مڑا نہیں۔

''میں نے آپ کا آٹھ ماہ انتظار کیا' لیکن آپ....آپ کو مجھے دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔''اس نے ہچکی لی۔شدتِ غم سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

سعدی دھیرے سے پلٹا۔اس کے چہرے پہ ابر برہمی تھی۔

''اور ان آٹھ ماہ تمہارے نام سے مجھے کتنی اذیت ملی' اس کا احساس ہے تمہیں؟''وہ گھرک کر بولا تھا۔''تم نے چیٹنگ کی' میں نے تمہیں معاف کر دیا' تم نے ہاشم کو کالج بلایا' میں تمہاری اور زمر کی باتوں میں آ گیا اور اس کو بھی جانے دیا مگر کیا میں نے بکواس نہیں کی تھی کہ تم اس سے کبھی بات نہیں کرو گی۔اس کو کبھی نہیں بلاؤ گی۔پھر بھی تم نے وہی کیا حنین یوسف۔''اس کی آواز دبی دبی غراہٹ میں بدل گئی۔حنین پتھر ہو گئی۔باتھ روم کے دروازے کی کنڈی کھلی اور سیم باہر نکلا۔حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تم نے اس سے تعلق رکھا۔مجھے سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔مگر تمہیں کوئی خیال نہیں آیا۔اپنے بھائی کی عزت کا کوئی خیال نہیں کیا تم نے۔وہ تمہارا نام لے لے کر کیا کیا باتیں کرتا تھا میرے سامنے....میں کبھی نہیں بھول سکتا۔تم نے مجھے آٹھ ماہ میں کتنی اذیت دی ہے' تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے میرا سر کتنی دفعہ جھکا۔وہ میرے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا کہ تم آؤ گی اور میں جانتا تھا کہ تم نہیں جاؤ گی' لیکن تمہارے نہ جانے سے تمہارے اتنے عرصے کی خطائیں مٹ نہیں گئیں۔میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔اور میں فارس ماموں سے بھی پوچھوں گا کہ انہوں نے تمہارا خیال کیوں نہیں رکھا۔میں امی سے بھی پوچھوں گا کہ وہ کدھر تھیں جب تم اس سے بات کرتی تھیں۔''بولتے بولتے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔سیم پہلے تو ساکت ہو گیا' پھر ایک دم سامنے آیا۔

''ایسے بات مت کریں۔'' مگر سعدی نے نہیں سنا' وہ شل ہوئی حنین کی طرف انگلی اٹھا کر اسی برہمی سے بولا۔ ''میں زمر سے بھی پوچھوں گا کہ.....''

''میں نے کہا میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔'' اسامہ ایک دم سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا یوں کہ بیڈ پہ بیٹھی حنین چھپ گئی۔ سعدی کی انگلی فضا میں اٹھی رہ گئی۔ اس نے دیکھا دبلے پتلے اسامہ کا قد اس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی ویسے ہی سرخی تھی۔

''سیم' تم یہاں سے جاؤ۔''

''میں نے کہا بھائی' انگلی نیچے کریں۔'' وہ دانت پہ دانت جمائے غرا کر بولا تھا۔ سعدی کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ماتھے کی تیوریاں ڈھیلی ہوئیں۔

''میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔ آپ آٹھ ماہ بعد آ کر یوں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟ صرف آپ نے تکلیف اٹھائی ہے؟ ہم سب خوش تھے؟ ہم نے بھی تکلیف اٹھائی ہے۔ ہم نے بھی اذیت کاٹی ہے۔ اور میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ سنا آپ نے۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں سب جانتا ہوں۔ آپ اس طرح میری بہن سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ ''آپ ہمارے ساتھ اس رات نہیں تھے جب پولیس فارس ماموں کو پکڑ کر لے گئی تھی۔ آپ کو پتہ ہے وہ رات کیسی تھی؟ زمر نے مجھے کہا تھا کہ اب میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں۔ اور اس رات میں ہاشم کے کمرے کی بالکونی کا شیشہ بجا تا رہا تھا' میں اس شخص سے مدد مانگنے گیا تھا بھائی جو ہمارا دشمن تھا۔ میں اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلانے گیا تھا۔ اس رات زمر اور حنہ کی ساری باتیں میں نے سن لی تھیں۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ اس رات نے میرے ساتھ کیا کیا۔ ہم نے ڈھائی تین ماہ ماموں کے بغیر گزارے۔ تب میں گھر کا بڑا مرد تھا۔ اور میں جانتا ہوں' میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ میری بہن فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھتی۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ آ کر ہمیں یوں جج کریں۔ اور اگر آپ نے اسی طرح ہم سے بات کرنی تھی' تو اس سے بہتر تھا کہ آپ واپس نہ آتے۔''

سعدی کا ہاتھ واپس پہلو میں جا گرا۔ وہ بس سیم کو دیکھے گیا۔

پرندے بڑے ہو چکے تھے' ان کے ننھے پر' پرواز کا ہنر سیکھ چکے تھے۔ اور اب تک وہ جانے کتنے آسمانوں کا چکر کاٹ آئے تھے' سمندر میں گرے شخص کو کیا پتہ چلنا تھا۔ وہ جن کو پل پل سعدی کی ضرورت رہتی تھی' کوئی مسئلہ ہو تو وہ سائیکاٹرسٹ بن جاتا تھا' پڑھنا ہو تو ٹیوٹر' کہیں جانا ہو تو ڈرائیور۔ اب انہیں اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ سیم آنکھیں رگڑتا فوراً پیچھے بیڈ پہ بیٹھی شل بے آواز روتی حنہ کے پاس آیا۔

''تم رو نہیں حنہ۔ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم سے یوں بات کریں۔''

حنین نے آنسو گراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ فارس ماموں کو بتا دیں گے۔ میں نے پہلے ابو کو کھویا' پھر وارث ماموں کو' پھر بھائی کو' پھر ہاشم

کو.....میں ہر اس مرد کو کھو دیتی ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔ میں فارس ماموں کو بھی کھو دوں گی۔ وہ مجھ سے نفرت کریں گے۔"

"میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں حنہ.....باقی سب تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم روؤ نہیں۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ صرف میں تمہارا بھائی ہوں۔" وہ مسلسل اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا' اور حنین چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا وہ بھائی کو یہ سب بتا تا ہوگا۔ وہ اس تاریکی سے اب کیسے نکلے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
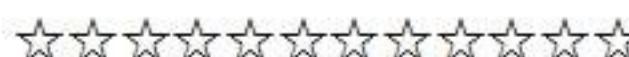
میں تو بے حس ہوں مجھے درد کا احساس نہیں

چارہ گر کیوں روشِ چارہ گری بھول گئے

صبح ابھی دھند آلود تھی.....نومولد اور تازہ جب فارس کی آنکھ کھلی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ وہیں کچن کے فرش پہ کرسی سے ٹیک لگائے سو گیا تھا شاید۔ کب کیسے' کچھ علم نہ تھا۔ سر تھا کہ درد سے پھٹ رہا تھا اور کمر تختہ بن چکی تھی۔ وہ کراہتا ہوا اٹھا۔ جوتے پہنے ہوئے تھے سو پیر درد کر رہے تھے۔ صرف دل ہلکا تھا۔

زمر چولہے کے ساتھ کھڑی تھی۔ آستین اوپر چڑھائے وہ کچھ بنا رہی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ "اٹھ جاؤ۔ میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔"

وہ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑتا اس تک آیا۔ ایک نظر اس کے پھیلاوے کو دیکھا۔ "میں اتنی دیر کیسے سوتا رہا؟"

"کیونکہ برسوں بعد تمہارے دل کو سکون ملا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ہاتھوں سے تیزی سے انڈے پھینٹ رہی تھی۔ فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ پھر کھڑکی کو دیکھا جس کے پار گہری نیلاہٹ تھی۔

"میں مسجد جا رہا ہوں' تم ناشتہ بناؤ۔ میں اپنی پرانی روٹین پہ واپس آنا چاہتا ہوں اب۔" وہ ہلکے دل اور ہلکے کندھوں کے ساتھ طمانیت سے بولا تو زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "کیونکہ تم جان گئے ہو کہ تم خدا نہیں ہو۔ خدا کوئی اور ہے۔"

"درست!" سر کو خم دے کر وہ جانے لگا۔ پھر ٹھہر گیا۔ "تم نے ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے کبھی نہیں ٹوکا نماز نہ پڑھنے پر۔ ویسے یہ تمہارا فرض تھا کہ تم مجھے ٹوکتیں۔ مجھے احساس دلاتیں۔"

"فارس!" وہ کاؤنٹر کھ کر اس کی طرف گھومی۔ "سات سال کے' دس اور بارہ سال کے بچے کو ٹوکا جاتا ہے' مارا جاتا ہے' گھر سے نکالا جاتا ہے' نماز نہ پڑھنے پر.....بالغ مسلمان کو نہیں ٹوکا جاتا۔ اس کے سامنے نماز پڑھنا ہی اس کو نماز کی نصیحت کرنا ہے۔ پتہ ہے کیا فارس' ہمارے گھر میں ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو نماز نہیں پڑھتا یا وہ غیبت کرتا ہے' یا کسی ایسی برائی میں ملوث ہوتا ہے جس سے ہم اسے نکالنا چاہتے ہیں مگر ہزار جتن کر کے' نصیحت کر کے' لیکچر دے کر' سمجھا کر' غصہ کر کے اس کے لئے دعا کر کے بھی ہم اس کو نکال نہیں پاتے اس اندھیرے سے۔ اس کی اصلاح نہیں کر پاتے۔ اور یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس کا کیا بنے گا۔ یہ تو جہنم میں جائے گا۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ توجہ

سے اسے سن رہا تھا۔

''تو پھر ہم اسے کیسے اس برائی سے نکالیں؟''

''ہم یہ جان لیں کہ وہ اپنی نہیں ''ہماری'' آزمائش ہے۔ اس کی تو بخشش بڑے آرام سے ہو جائے گی کیونکہ اس کا دل تو کچھ عرصے کے لئے اللہ نے نیکی کی طرف سے بند کر رکھا ہے ہمیں آزمانے کے لئے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اس نے تو نہیں پڑھ رکھی تفسیر' اس نے تو ہماری طرح حدیث کی کتابیں گھول کر نہیں پی ہوئیں' ہر وقت اس کی بخشش کی فکر نہیں کرنی چاہیے ہمیں۔ ہم کیا کرتے ہیں' یہ اہم ہے۔ تمہیں پتہ ہے ہمیں ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیے؟ جو خوبی اس میں دیکھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اندر ڈال لیں اور Excellence کے لیول پہ اسے اپنا لیں۔ وہ نماز نہیں پڑھتا تو ہم اپنی نماز کو خوبصورت بناتے چلے جائیں۔ اس کو دکھانے کے لئے نہیں' بلکہ اللہ کو دکھانے کے لئے کہ اللہ یہ ہے وہ پرفیکشن کا لیول جو میں اس کی عبادت میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کو ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ جس پہ الفاظ اثر نہ کریں' اسے عمل سے نصیحت کرنی چاہیے۔ اب جاؤ۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''تھینک یو۔ اس لیکچر کے لئے۔ ویسے مجھے آپ کی وہ بات بھی اچھی لگی تھی جو آپ نے رات کو بار بار دہرائی تھی۔ انگریزی کے تین الفاظ تھے' مجھے ٹھیک سے یاد نہیں' آپ دہرانا پسند کریں گی۔'' سادگی سے وہ پوچھ رہا تھا۔ زمر کانٹا اوپر اٹھائے اس کی طرف گھومی۔

''ہاں۔ وہ الفاظ یہ تھے کہ آئی وِل کل یو۔ اب جاؤ۔'' اور خفگی سے اسے گھور کر رخ پھیر لیا۔

''میں واپس آکر آپ سے اس کا حساب مانگتا ہوں شیف صاحبہ۔'' اور پھر چابیاں اور سیل فون اٹھاتا باہر نکل گیا۔۔۔

مورچال پہ وہ صبح روشن ہونے لگی تو کالونی کے درختوں نے دیکھا' حنین یوسف اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس کے کٹے ہوئے بال ماتھے پہ گر رہے تھے اور پیچھے والے بالوں کی فرنچ چوٹی گوندھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا' اور آنکھوں میں چبھن سی تھی۔ دفعتاً اس نے نیچے گیٹ کے پار کسی کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اندر کی طرف مڑ گئی۔

چند لمحے بعد وہ گیٹ سے باہر آتی دکھائی دی۔ سامنے علیشا کھڑی تھی۔ نیند سے بھری آنکھیں اور بالوں کی پونی بنائے' وہ گویا عجلت میں لگتی تھی۔

''حنین۔'' اس کو اتنے برسوں بعد دیکھ کر علیشا کی آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھرے۔ مگر حنہ سپاٹ چہرہ لئے کھڑی رہی۔

''تمہیں صبح صبح اس لئے بلایا ہے تاکہ تمہیں یہ دے سکوں یہ جو تمہارا تھا۔'' کی چین اس کی طرف بڑھایا۔ علیشا نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے کی چین تھاما۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی' حنین اندر چلی گئی اور دروازہ بند کر دیا۔

علیشا تیزی سے کیب کی طرف جانے کو مڑی اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے کی چین کے سیاہ ہیرے نما کرسٹل کو ٹٹولا۔ پھر اوپر لکھے Ants Ever after کو دبایا۔ زور سے۔ پھر دوبارہ۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ رک گئی۔ حیرت آنکھوں میں لئے اس نے پھر کوشش کی مگر بے
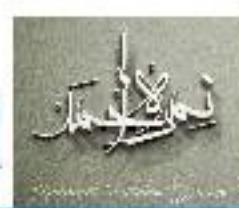
سود۔ یکدم وہ چونک کر مڑی۔

حنین واپس وہاں آ کھڑی ہوئی تھی۔اور سینے پہ ہاتھ لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے کہا تھا علیشا کہ ہر انسان کے اندر خیر اور شر کے بھیڑیے ہوتے ہیں' اور یہ بھی کہ میرے اندر بہت سارا شر ہے۔تو یہ جان لو علیشا کہ میں اب اپنے شر پہ شرمندہ نہیں ہوں۔اب کوئی مجھے کتنا ہی جج کرے مجھے فرق نہیں پڑے گا۔میں نے اپنے اندر کے اندھیروں کو گلے لگا لیا ہے' میں نے وہ فقرہ ڈھونڈ لیا ہے جو مجھے ان اندھیروں میں رہنا سکھا دے گا' اور وہ فقرہ ہے....'' وہ ایک قدم آگے بڑھی۔''میں نارمل نہیں ہوں۔میں حنین ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بند مٹھی کھولی۔علیشا کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

حنہ کی ہتھیلی پہ اسی طرح کا سیاہ کرسٹل رکھا تھا مگر اس کے اوپر لکھے الفاظ اندر کو دبے تھے' یوں کہ کرسٹل اندر سے کھل گیا تھا۔دو ٹکڑوں میں بٹا تھا' اور اس کے کھوکھلے حصے میں ایک ننھا سا میموری کارڈ رکھا نظر آ رہا تھا۔

''تم ہمیشہ سے بے وقوف تھیں' اس لئے کاردارز سے ہارتی رہی۔ان کو انہی کے خلاف نہیں استعمال کر سکی۔تمہیں بھول گیا کہ میرے پاس دو کرسٹل تھے۔ایک میرے لاکٹ والا جو تم نے دیا تھا' اور دوسرا یہ کی چین۔میں نے صرف دونوں کی جگہ بدل دی۔'' اس نے مٹھی بند کر لی۔''میں کی چین کو کھول نہیں سکتی تو تمہیں اپنے لاکٹ والا ہیرا دیا' تا کہ تم مجھے دکھا دو اسے کیسے کھولنا ہے۔'' علیشا بے بس چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔حنہ واپس پیچھے ہٹتی گئی۔

''اس میموری کارڈ میں کیا ہے' میں نہیں جانتی مگر اب یہ میرے پاس ہے۔اب یہ ہمارے پاس ہے۔تم نے جیل سے یہ کی چین ہمیں بھیجا تھا۔تھینک یو علیشا۔تمہارا گفٹ ہمیں مل گیا ہے۔'' وہ رکھائی سے کہتی واپس اندر گئی اور دروازہ بند کر دیا۔علیشا باہر تہی داماں' تہی دست کھڑی رہ گئی......

قصرِ کاردار میں ہاشم ابھی بستر میں نرم گرم کمبل میں لپٹا' چائے پیتے ہوئے موبائل پہ نیوز ہیڈ لائنز دیکھ رہا تھا جب دروازہ زور سے کھٹکا۔ اس نے ناگواری سے چہرہ اوپر اٹھایا۔پھر کمبل اتارتا نیچے اترا۔وہ شب خوابی کے لباس میں موجود تھا اور اس طرح کسی کے مخل ہونے پہ موڈ بگڑ چکا تھا۔بے زاری سے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے احمر کو دیکھ کر تاثرات مزید بگڑے۔

''تمہیں کس نے اجازت دی کہ.....''

''آپ نے کہا تھا سر کہ مجھے آپ کا اعتماد کمانا ہے۔میں اسے کما سکتا ہوں۔میرا کیریئر' میری آزادی' سب کچھ اس جاب سے جڑی ہے۔ میں اس کو نہیں چھوڑنا چاہتا سو میری بات سنیں۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا۔''میں کچھ ایسا جانتا ہوں جو یوسفز کو کبھی آپ کے خلاف اٹھنے نہیں دے گا۔''

''ہاشم کے ابرو اکٹھے ہوئے۔''مثلاً؟''

''مثلاً!'' احمر نے بھاری دل کے ساتھ گہری سانس لی۔''سعدی یوسف کی بہن....حنین....اس نے بورڈ ا یگزام میں او سی پی صاحب

کو بلیک میل کر کے پیپرز لیک کروائے تھے۔ میرے پاس تمام ثبوت ہیں۔ آپ ان کو رکھیں فارس کے سامنے' اور اسے آفر دیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چمک اتری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''مجھے نو بجے آفس میں ملو۔ تم واپس جاب پہ آچکے ہو' لیکن آئندہ اتنی صبح آ کر میرا دروازہ مت کھٹکھٹانا۔'' اور دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے سیڑھیاں اترنے لگا۔ دل بہت بھاری ہو چکا تھا۔

فارس مسجد سے واپسی پہ تازہ دم صبح سڑک کنارے چلتا آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ دل اور کندھے بوجھ سے آزاد تھے۔ بہت عرصے بعد اپنا آپ انسان لگا تھا جو کسی کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

چلتے چلتے اس نے موبائل جیب سے نکالا۔ رات بھر وہ سائیلنٹ رہا تھا اور کالز اور میسجز کی بھرمار تھی۔ آبدار کی کالز سرِفہرست تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال بیک کی اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو!'' مردانہ آواز دوسری ہی گھنٹی پہ سنائی دی۔ فارس ٹھہر گیا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کون؟''

''تم مجھے بتاؤ تم کون ہو؟'' جواب میں غصیلہ لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون جس کو میری بیٹی نے پینتالیس دفعہ کال کی اور تم نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔''

''آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ آبدار ٹھیک ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ چند ثانیے کی خاموشی دوسری طرف چھائی رہی۔

''میری بیٹی نے... فارس غازی.....کل رات خودکشی کر لی ہے۔ وہ اس وقت آئی سی یو میں ہے۔''

''کدھر؟ کون سے ہاسپٹل میں؟'' وہ کار کی چابیاں نکالتے ہوئے آگے کو بھاگا تھا۔

فو ڈلی ایور آفٹر کے تنہا پڑے لاؤنج میں زمر میز پہ ناشتہ سجائے' بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
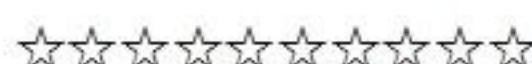
(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)